

وقتی کی قدرت

مترجم

جناب محمد عبدالنصیر
استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور

انٹرنیشنل اسلامیا
پبلشرز، کراچی

شیخ عبدالفتاح ابو غده کی عربی تصنیف "قیمت الزمان"
عند العلماء "کاہلی بارخو بصورت اور سلیس اردو ترجمہ"

وقت کی قدر و قیمت

مترجم

جناب محمد عبدالنصیر
استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور

ادارہ ایسیٹا
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز
امیٹا

☆ ۱۴ ویں ایٹھ سنشن ہال روڈ، لاہور ☆ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان ☆ موبن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی
فون ۳۲۲۲۴۱۲ فیکس ۳۲۲۲۴۸۵ ۹۲-۳۲-۳۲۲۲۴۸۵ فون ۳۲۲۲۴۵۰، ۳۲۲۲۳۹۹۱ فون ۳۲۲۲۴۰۱

297.7

471 و

11403

محمد الفتح الوشاء

مجلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔
©

ہندوستان میں جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ کسی فرد یا ادارے کو بلا اجازت اشاعت کی اجازت نہیں

نام کتاب

وقت
کی قدر قیمت

اشاعت اول

جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ - جون ۲۰۱۰ء

ادارۃ ایسی اسلامیات

۱۳- دینا ناٹھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۳۷۳۲۳۳۱۲ فیکس ۳۷۳۲۳۲۸۵ +۹۲-۳۲-۳۷۳۲۳۲۸۵

۱۹۰- انارکلی، لاہور- پاکستان فون ۳۷۳۳۳۹۹۱-۳۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی- پاکستان فون ۳۷۳۲۳۳۰۱

www.idaraeislamiat.com

E-mail: idara.e.islamiat@gmail.com

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۳

مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۳

مکتبہ دارالعلوم، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۳

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر ۱

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر ۱

بیت العلوم، ناٹھ روڈ، لاہور

04-08-2013

پیارے ابو جی کے نام.....!

ظفر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُتَوَكَّلُ عَلَيْكَ
وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ أَعْمَالِنَا

مَنْ تَجِدُهُ اللَّهُ فَلَا مُصْنِفَ لَهُ
وَمَنْ تُصِيبْهُ لَيْلَةٌ فَلَا هَادِيَ لَهُ

وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ

صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

فہرست

15	حرفِ تقصیر
20	کچھ مصنف <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے بارے میں
27	کچھ کتاب کے بارے میں
29	متاعِ وقت
30	اصولی اور فرعی نعمتیں
31	اصولی نعمتیں
//	سب سے بڑی اصولی نعمت
32	وقت کی قدر و قیمت..... برہان قرآن
34	عمر برباد کرنے پر کفار مستحق ملامت
35	اب کوئی عذر قابل قبول نہیں!
//	اللہ پاک نے زمانے کی قسم کھائی ہے
37	امام رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول
38	متاعِ وقت..... از روئے حدیث
42	گیا وقت ہاتھ نہیں آتا

43	اسلاف کی حفاظت وقت
//	سورج کو روک لو
44	ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی پشیمانی
//	دن، رات تجھ میں کوشاں ہیں
//	تو مجموعہ ایام ہے
45	حماد بن سلمہ کا علمی انہماک
46	وہ ساعتیں مجھ پر بڑی گراں گزرتی ہیں
//	اس روگ کا کیا کروں!
48	امام ابو یوسف <small>رضی اللہ عنہ</small> کا علمی انہماک
49	لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!
//	ایک دینار کا قلم
50	اتنی فرصت ہی نہ پائی جو ٹھہر کے دیکھتے!
51	عشق است و ہزار بدگمانی!
//	فن حدیث کے یکتا امام
52	دس لاکھ احادیث کی کتابت کی
54	عمدہ نکات
56	علم کے تین شیدائی
57	کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ!
58	مشروط دعوت
//	مطالعہ کا انہماک
59	تیس ہزار صفحات کی تفسیر قرآن

59	تیس ہزار صفحات کی تاریخ
60	یومیہ ۴۰ اوراق کی تالیف
//	تین لاکھ ۵۸ ہزار صفحات
61	ابن جریر کی تنظیم اوقات
//	مرتے دم تک اقتباس علم
62	ہوتا ہے مگر محنت پرواز سے روشن!
//	دیوانہ علم
63	خاموش ملاقاتیں
//	آپ واپس چلے جائیں!
64	بھاری بھر کم کتابوں کا مصنف
//	۷۰۰ درہم کی روشنائی
//	سراپا نذا کرہ
65	چلتا پھرتا علم کا خزانہ
//	مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے!
67	محاسبہ وقت
68	چلتے پھرتے مطالعہ
//	میں عادتاً سوتا ہوں نہ کھاتا ہوں
69	۵۰ برس کی عمر میں شوق طالب علمی
70	وقت کے دو بڑے قدر دان: ابن عقیل اور ابن جوزی
//	ذہانت میں یکتا
//	زندگی کا ہر پل قیمتی

72	بہترین مصروفیت..... طلب علم
73	مجھے وصال کا لطف اٹھانے دو
74	قطرہ قطرہ دریا شود
75	۵۰۰ کتابوں کا مصنف
//	اکثریت وقت برباد کر رہی ہے
76	لا یعنی لوگوں سے اللہ کی پناہ!
77	وقت بچانے کی ایک صورت
//	وقت کی قدر بڑے نصیب کی بات ہے
78	اسلاف کی حفاظت وقت
80	وقت کو قیمتی کیسے بنایا جائے؟
//	اسلاف کی بلند ہمتی
81	بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ
82	زندگی کا ہر سانس گنجینہ ایزدی ہے!
//	یومیہ چار رسالوں کی تصنیف
83	۲ ہزار جلد کی کتابت
//	قلموں کے برادے سے غسل
84	ایک ہزار سے زائد کتابیں
//	ہر علم میں تصنیف
//	شیخ عبدالغنی المقدسی کی تنظیم اوقات
86	علامہ رازی..... محافظ وقت
//	ابن سیکنہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تنظیم اوقات

87	سلام علیکم مسالۃ سے زیادہ بات نہ کیا کرو
88	ابن تیمیہ - جد - کا شوق مطالعہ
//	حافظ منذری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی کتابت حدیث
89	حافظ منذری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی علمی مشغولیت
//	حافظ منذری مدرسے سے باہر قدم نہ رکھتے تھے
90	حافظ منذری بیٹے کے جنازے پہ
//	ابن مالک نخوی کی علمی مشغولیت
91	بستر مرگ پر تحصیل علم
92	امام نووی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے دو سال تک پہلو زمین سے نہ لگایا
//	روزانہ ۱۲ سبق پڑھتے
93	صرف ایک وقت کا کھانا
94	امام نووی کی نفس کشی
//	ابن نفیس طب اور فقہ کے امام
95	رات بھر علمی گفتگو
96	دورانِ غسل نبض کے موضوع پر مقالہ لکھ ڈالا
97	سات صدیاں پہلے دوران خون کا انکشاف کیا
98	شیخ ابن تیمیہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تالیفات شمار سے باہر ہیں!
99	مرض ہو یا سفر ہر حال میں علمی مشغولیت
100	علامہ اصفہانی کھانا کم کھایا کرتے تھے
101	علامہ شوکانی کے یومیہ ۱۳ درس
102	علامہ آلوسی صبح سبق پڑھاتے اور رات تفسیر قرآن لکھتے

104	علامہ عبدالحی لکھنوی کی ۳۹ سال کی عمر میں ۱۱۰ تصانیف
//	حکیم الامت حضرت تھانوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تصانیف ایک ہزار سے متجاوز
//	علمائے امت کی تصانیف حفاظت و وقت کی علامت ہیں
106	کاروان علم کے شہسوار
//	تاریخ اسلامی کے سب سے بڑے مصنف
107	علامہ باقلانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابن ابی الدنیا <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابن عساکر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابن شاہین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
108	علامہ ابن حزم <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابن ابی حاتم رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	حاکم نیشاپوری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
109	امام ابوالحسن اشعری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	امام ابن تیمیہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	امام ابن قیم جوزیہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	امام بیہقی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ محمد بن سخون مالکی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابوبکر بن عربی معافری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
110	امام ابو جعفر طحاوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابو عبیدہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابن سرتج <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>

110	قاضی فاضل <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
//	علامہ ابن حبیب اندلسی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
111	چند ضخیم کتابیں
//	متاخرین کی تصانیف متقدمین سے کم ہیں
112	متقدمین بڑے عالم تھے یا متاخرین؟
//	کبار تابعین کی گواہی
115	حافظ ابن عساکر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے علمی ورثے کی ضخامت
117	ابن عساکر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی بلند ہمتی
119	ابن عساکر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی علم سے دلی وابستگی
121	علمی نقصان پر ابن عساکر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی بے چینی
122	ہر کام کو اس کے مناسب وقت میں کیجیے
125	حفظ کے لیے بہترین وقت اور جگہ
126	شور والی جگہ سے اجتناب
128	ستی کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟
129	اہم کام پہلے نمٹائیے!
131	100،50 یا زائد کتب کے مصنفین
132	وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیا کچھ درکار ہے؟
134	بقدر ضرورت..... کھانا پینا اور آرام
136	گیا وقت ہاتھ نہیں آتا
//	ستی زہر قاتل
138	الوقت هو الحياة

139	جوانی کے لمحات کی حفاظت
140	بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آ جاتی
142	نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
143	علامہ آلوسی حنفیہ..... وقت شناسی کی مثال
//	وہ ولولے اب خزانِ پیری میں کہاں
146	وقت کی قدر و قیمت کے حوالے سے شیخ احمد امین کا قیمتی مضمون
151	وقت سونے سے زیادہ قیمتی
155	المصادر والمراجع

حرفِ تقصیر

سینٹ آگسٹن نے اپنی کتاب Confession میں لکھا ہے:
 ”اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ وقت کیا ہے؟ تو میں اس کا جواب نہیں دے سکوں
 گا، لیکن کوئی نہ پوچھے تو مجھے معلوم ہے کہ وقت کسے کہتے ہیں اور اس کی
 تعریف کیا ہونی چاہیے۔“

سچ تو یہ ہے کہ وقت ایک ایسی بدیہی چیز ہے، جسے لفظوں کا جامہ نہیں پہنایا
 جاسکتا، لیکن ہم میں سے ہر ایک اس کی ماہیت سے آشنا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے سے
 تعلق رکھنے والے انسان نے اسے منفرد حیثیت سے دیکھا ہے۔ ”کوئی اسے سمندر سے
 تعبیر کرتا ہے کہ جس میں کائنات کا جہاز تیر رہا ہے“ اور کوئی ”اسے انسانی تجربات اور
 عوامل کا حصہ قرار دینے پر تلا ہوا ہے۔“

اس کرۂ ارض پہ پھیلے ہر انسان کے ذہن میں وقت کی لفظی تعبیر دوسرے سے
 منفرد و یکتا نظر آتی ہے۔ زیڈگ کہتا ہے:

”وقت سے زیادہ طویل کوئی چیز نہیں کیونکہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے، اس سے
 زیادہ مختصر کوئی شے نہیں، کیونکہ یہ ہمارے منصوبوں، آرزوؤں کی تکمیل کے
 لیے ہمیشہ نا کافی ثابت ہوتا ہے، اس سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں اس
 کے لیے جو کسی امید و انتظار میں ہو، اس سے زیادہ تیز رفتار کوئی شے نہیں اس
 کے لیے جو خوشی و مسرت کے لمحات میں ہو، طول میں یہ ابدیت تک جا پہنچتا

ہے اور چھوٹا ہونے کی بات ہو تو سیکنڈ کے ہزارویں کیا کروڑویں، اربویں حصے میں تقسیم ہو سکتا ہے، ہر شخص اسے نظر انداز کرتا ہے اور سب ہی اس کے ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں، وقت کے بغیر کچھ نہیں کیا جاسکتا، یہ ہر معمولی واقعہ کو آئندہ نسل میں منتقل ہونے سے قبل ہی طاق نسیان کے حوالے کر دیتا ہے اور ہر ایسے عمل کو لافانی بنا دیتا ہے جو واقعی عظیم ہو۔“

فیثا غورث سے کسی نے پوچھا وقت کیا ہے؟

تو اس نے جواب دیا:

”وقت اس دنیا کی روح ہے۔“

فلسفیانہ اسلوب وقت کو جس نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس کی تعبیر کی حقیقت تک ایک عام آدمی کے دماغ کی رسائی مشکل دکھائی دیتی ہے، اس کی تعریف و تشریح میں بحث و تحقیق کی ڈوری جوں جوں طویل ہوتی جاتی ہے، ان کی آراء بھی مختلف پہلو اختیار کرتی چلی جاتی ہیں ”اور مسئلہ سلجھنے میں فروزاں ہونے کے بجائے الجھنے میں فزوں تر ہوتا چلا جاتا ہے۔“

غرضیکہ

وقت گزرتے ہوئے واقعات کا ایک دریا ہے

وقت سیال ہے جسے کسی آن سکون نہیں

وقت سونا ہے

وقت زندگی ہے

وقت ہی عمر حیات ہے

وقت تغیر زمانہ کا نام ہے

وقت تلوار کی مانند ہے جسے اگر کاٹنا نہ جائے تو وہ کاٹ دیتا ہے

وقت مجموعہ ایام ہے

وقت زندگی کے صحیفوں کا نام ہے

وقت اس خام مسالے کی مانند ہے جس سے آپ جو کچھ چاہیں بنا سکتے ہیں

وقت حیات کائنات کا ایک قطرہ ہے جو ازل سے ابد تک مسلسل بہا جا رہا ہے

وقت انسان کی بہترین پونجی اور گرانمایہ سرمایہ ہے
وقت افراد اور قوموں کا سرمایہ ہے۔

شاعرانہ تعبیرات اسی بات کو اور انداز میں سجاتی ہیں۔ لیکن شاید کہ ان کی تفصیل میں پڑ جانے سے بات اصل مقصود سے ہی کہیں طویل نہ ہو جائے۔ مترجم کا مقصد آپ کو اپنی کہانی میں الجھانا نہیں بلکہ آپ کو اصل مقصود تک پہنچانا ہے، جس تک پہنچنے کے لیے نگاہ خرد منتظر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تہذیب نو نے انسانیت کو جو نئے کرشمے عطا کیے ہیں ان میں سے ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ جدید دور کا مہذب انسان ہر لحظہ اپنے وقت کی بے برکتی کا رونا روتا دکھائی دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وقت تو لیل و نہار کے اختلاف (آنے جانے) کا نام ہے تو کیا اس تنوع مکان و زمان میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے؟ ایسا تو ہرگز نہیں! پھر اس بے برکتی کا کیا مطلب؟

بات یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں اس قدر مصروف ہو چکا ہے کہ زندگی کے بندھنوں نے اسے ہر جہت سے مفلوج کر دیا ہے، زندگی کی آزاد فضاؤں میں سانس لینا اس کے لیے دشوار ہو چکا ہے، زندگی جبر مسلسل کا نام ہو چکی ہے، حالات کی نزاکت اس حد تک خطرناک ہو چکی ہے کہ انسان کے لیے معمولات زندگی کی تنظیم کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ وہ اپنے اوقات کی تنظیم کرنے کی بجائے وقت کی بے برکتی کا فلک شگاف نعرہ بلند کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مصنف نے دور جدید کے انسان کو اسلاف کی وقت کی اہمیت کا نظارہ اس لیے کرایا ہے تاکہ وہ اپنے وقت کی تنظیم نو کرے، وہ انسان کہ جس کے بارے میں شاعر مشرق نے کہا تھا:

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جن میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

یہ مہذب انسان اپنے اسلاف کی قدر کو پہچاننے سے عاجز ہوا بیٹھا ہے، سبھی وہ غیروں کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی اپنی بے بضاعتی کا رونا روتا ہے۔ اگر اسلاف کی حقیقت کا ادراک کرتا بھی ہے تو مفاخر کی دنیا میں کھو کر اقبال کے ابدی پیغام کو بھول جاتا ہے۔

تھے وہ آباء تو تمہارے ہی مگر تم کیا ہو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو
مصنف آج کے انسان کو ان حقائق سے آگاہ کر کے قسمت کی تعبیر بدلنے کا
سبق سکھاتا ہے، وہ زندگی کے رخ کو بدلنے کی تلقین کرتا ہے، وہ اس بے کاری اور لایعنی
پن کو کارآمد بنانے کا گر سکھاتا ہے۔

دنیا دنی کو نقش فانی سمجھو اور اہ جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر کرو جب آغاز کوئی کام بڑا تو ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو
وہ اسے اسلاف کا طرز عمل دکھاتا ہے، کیونکہ نسل انسانی اپنی بقاء کے لیے
بزرگوں کے تجربات اور وطیرہ عمل کو اپنانے کی محتاج ہوتی ہے، مصنف مہذب انسان کو
عالم کی زمام اقتدار سنبھالنے کے اصول سکھانا چاہتا ہے۔

نگہ بلند سخن دل نواز جان پُرسوز

یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

وہ اسے بتانا چاہتا ہے کہ زندگی صرف چند دن کا مزہ لینے کا نام نہیں ہے وہ ایک

جبر مسلسل کی طرح کٹے تو رنگ لاتی ہے، اس میں وصال کی تمازت بہت مختصر ہے۔

گلزارِ جہاں کا تماشا دیکھوں

اشکِ شبنم کہ گل کو ہنتا دیکھوں

مثلِ گل رعنا ہیں نظر میں شب و روز

دو روز کی ہے بہار کیا کیا دیکھوں

مصنف اسے قبل از وقت احساس و شعور آگے فراہم کرنا چاہتا ہے، وہ اسے

اس بات کا احساس دلانا چاہتا ہے۔

ریاضِ عالم ہستی پہ اعتبار نہ کر کہ

مستعار ہے یہ دورِ گل، رہے نہ رہے

وہ اسے وقت کے ضیاع سے پہلے زندگی کے ان حسین لمحات سے عبرت

حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے کہ۔

جو کسیوں میں تو نے نرکین گنویا تو بد مستیوں میں جوانی گنوائی
جو اب غفلتوں میں بڑھاپا گنویا تو بس یہ سمجھ زندگانی گنوائی
وہ اسے اس وقت سے پہلے وقت کی قدر و قیمت جاننے کی تعلیم دینا چاہتا ہے

کہ ع

جب نطق و اشارہ کی بھی قوت نہیں رہتی
وہ اس کی ڈھارس بندھاتا ہے، اسے زندگانی سے بیزار نہیں کرتا، اسے زندگی
کا نیا دریچہ کھولنے کا شوق دلاتا ہے۔ وہ ایک شخص کی طرح سرشار ہو کر اسے ناسخا نہ
انداز میں قدرت کا وہ شیوہ یاد دلاتا ہے۔
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں
مصنف کارواں کے دل سے احساس زیاں کو ختم کرنا چاہتا ہے، وہ اس احساس کو
ختم کرنے کے لیے وسائل میں سے اہم ترین وسیلے دعا کا انتخاب کرتا ہے، جو آسمانوں
کے دروازے کھول دیتی ہے اور عرش کو بلا دیتی ہے، جو تقدیر کے فیصلوں کو بدل سکتی ہے۔
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

☆☆☆

مترجم کو اپنی بے بضاعتی کا کامل اعتراف ہے، اس اعتراف سے کہیں بڑھ کر
اسے یہ احساس کھائے جا رہا ہے کہ اس نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا معلوم نہیں اسے کس
حد تک ادا کر چکا ہے۔ وہ اس حرف آخر کے ساتھ اجازت لینا چاہتا ہے کہ تقصیر کا منبع اس
کی ذات ہے جسے وہ دل و جان سے تسلیم کر رہا ہے اور خوبی و کمال اسی ذات کے لائق
ہے جو اس دھرتی کے نظام کو بحسن و خوبی سنبھالے ہوئے ہے۔

والسلام

محمد عبدالنصیر بن عبدالبصیر علوی

جامعہ اشرفیہ، لاہور

0300 80 60 952

0333 456 96 76

کچھ مصنف کے بارے میں

شیخ عبدالفتاح ابو غده رحمۃ اللہ علیہ شام کے مشہور شہر حلب میں (۱۳۳۶ / ۱۹۱۷ء) کپڑے کے ایک متمول تاجر کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ علماء کا گرویدہ اور خالص مذہبی تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں علاقے کے ایک عمدہ سکول میں آپ کو داخل کروا دیا گیا۔ جس کی فیس بہت زیادہ تھی اور تعلیمی و تربیتی معیار بھی خوب بلند تھا۔ والد اور دادا کی رائے یہ تھی کہ سکول میں کچھ عرصہ پڑھنے کے بعد کوئی ہنر سیکھا جائے۔ جس بناء پر آپ اپنے والد کے ایک دوست کے ساتھ مارکیٹ میں کپڑوں کی خرید و فروخت اور تجارت میں لگے رہے۔

نہ جانے اس کے بعد کیا حالات پیش آئے کہ پانچ چھ سال کپڑوں کی تجارت میں مشغول رہنے کے بعد آپ اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں آپ نے مدرسہ خسروییہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ چھ سال تک یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ ازہر کے ”کلیۃ الشریعۃ“ میں چلے گئے، جہاں چار سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دو سال مزید وہیں شعبہ تدریس میں تخلص کیا اور ۱۹۵۰ء میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے علاقے حلب میں لوٹ آئے۔

مصر میں آپ نے کئی اساتذہ سے پڑھا لیکن آپ کی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر امام شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ جن کے متعلق آپ خود فرماتے ہیں:

”میں نے جتنے اساتذہ سے پڑھا، ان میں سے ہر ایک کے متعلق مجھے خیال ہوتا کہ میں محنت کروں تو اس طرح بن سکتا ہوں لیکن شیخ کوثری کے بارے میں جب بھی سوچتا مجھے یقین ہو جاتا کہ میں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔“

آپ نے برصغیر کا کئی بار سفر کیا۔ یہاں کے حنفی علماء اور ان کی تصانیف سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔ علامہ عبدالحی لکھنوی کی کئی تصانیف آپ کی تحقیق کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں۔ ۱۳۸۲ھ میں پاکستان کے خصوصی دورے میں آپ نے حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی ملاقاتیں فرمائیں۔ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”التصریح بما تو اتر فی نزول المسیح“ مرتب کردہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں حضرات سے ”اجازت حدیث“ لی۔ بعد ازاں اسی کتاب کو آپ نے اپنے مقدمے اور تحقیقی حواشی کے ساتھ طبع کیا۔

علم آپ کی میراث تھا، اور اس میراث کو پانے کے لیے آپ اپنی جان تک بچھاؤ کرتے تھے۔ بعض کتابوں کی جستجو میں آپ ۱۵، ۱۵ سال مصروف عمل رہے، اور بسا اوقات نذرمان لیا کرتے کہ اگر فلاں کتاب مل گئی تو اتنی رکعت نفل پڑھوں گا۔

آپ کی ذات گرامی کے بارے میں آپ کے ایک شاگرد اور محقق شیخ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

”میں حضرت شیخ ابو غدہ کی خدمت میں ایک طالب علم اور ایک خادم کی حیثیت سے سینتیس سال رہا، اس طویل عرصے میں، میں نے ان سے کوئی بات ایسی نہیں سنی جس کے بارے میں مجھے خیال آیا ہو کہ شیخ یہ بات نہ کہتے تو بہتر تھا، اسی طرح ان کے کسی موقف کے متعلق میرے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ شیخ کا یہ موقف نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ معاذ اللہ! میں ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اپنے مخلص بندوں کو حق رائے کی درستی کی توفیق مل جاتی ہے۔ میں اس طویل عرصے میں حضرت شیخ کے علم و عمل کا معتقد رہا اور ان کی عملی زندگی میں

اسلامی تعلیمات اور آداب کی رعایت و تطبیق کا مشاہدہ کرتا رہا۔“

(امداد الفتاح: ص ۱۱۸، ۱۱۹)

آپ جامعہ دمشق میں تین سال تک استاد رہے، دس سال تک جامعہ محمد بن سعود ریاض میں پروفیسر رہے، سعودی یونیورسٹی ریاض میں بھی دو سال تدریس کرتے رہے، ۱۹۶۲ء میں شامی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے، ۱۳۹۸ھ میں رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بنے، اور ۱۹۸۶ء میں ”اخوان المسلمین“ کے امیر منتخب ہوئے، لیکن کچھ عرصے بعد امارت چھوڑ دی۔ کثرت مطالعہ کی بناء پر دائیں آنکھ میں تکلیف شروع ہو گئی اور خون آنے لگا۔ آپریشن کے باوجود تکلیف بڑھتی گئی۔ دوسری شدت کی بناء پر ہسپتال داخل کروایا گیا تو معلوم ہوا کہ گردے اور جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یوں ۹ شوال ۱۴۱۷ھ کو ہسپتال ہی میں دارفانی سے رخصت فرما گئے۔ خصوصی طیارے میں ریاض سے مدینہ منورہ لایا گیا، مسجد نبویؐ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو

گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آپ کی تصانیف اور محقق کتب کی ایک طویل فہرست ہے۔ جن میں سے

مؤلفات درج ذیل ہیں:

- 1- مسألة خلق القرآن واثرها في صفوف الرواة والمحدثين و كتب الجرح والتعديل.
- 2- صفحات من صبر العلماء.
- 3- كلمات في كشف اباطيل وافتراءات.
- 4- العلماء العزاب الذين آثروا العلم على الزواج.
- 5- قمية الزمن عند العلماء.
- 6- لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث.
- 7- تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامي في القرن الرابع عشر.
- 8- امراء المؤمنين في الحديث.

۱۱۶۵۳۴

- 9- صفحہ مشرقہ من تاریخ سماع الحديث عند المحدثين.
- 10- الاسناد من الدين.
- 11- السنة النبوية وبيان مدلولها الشرعي.
- 12- تحقيق اسمى الصحيحين واسم جامع الترمذی.
- 13- منهج السلف في السؤال عن العلم وفي تعلم ما يقع ومالم يقع.
- 14- من أدب الإسلام.
- 15- اخطاء الدكتور تقى الدين الندوى في تحقيق كتاب ظفر الأمانى للكنوي.
- 16- نماذج من رسائل الائمة السلف وأدبهم العلمی وأخبارهم في أدب الخلاف.
- 17- خطبة الحاجة ليست سنة في مستهل الكتب والمؤلفات كما يقول الشيخ الألبانی.
- جبکہ وہ کتب جو آپ کی تحقیق اور حواشی کے ساتھ چھپی ہیں وہ درج ذیل ہیں:
- 1- الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للإمام اللكنوي.
- 2- الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة، في علوم الحديث للكنوي.
- 3- إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة للإمام اللكنوي.
- 4- رسالة المسترشدين للإمام الحارث بن أسد المحاسبي في الأخلاق والتصوف.
- 5- التصريح بما تواتر في نزول المسيح للإمام محمد أنور شاه الكشميري.
- 6- الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام وتصرفات القاضي والإمام للفقهاء المالكي الإمام شهاب الدين أبي العباس القرافي.

- 7- فتح باب العناية بشرح كتاب النقاية في الفقه الحنفي للإمام علي القاري الجزء الأول.
- 8- المنار المنيف في الصحيح والضعيف للإمام ابن قيم الجوزية.
- 9- المصنوع في معرفة الحديث الموضوع للإمام علي القاري.
- 10- فقه أهل العراق وحديثهم للإمام المحقق محمد زاهد الكوثري.
- 11- خلاصة تذهيب تهذيب الكمال في أسماء الرجال للحافظ الخزرجي.
- 12- قواعد في علوم الحديث للعلامة ظفر أحمد العشاني التبريزي.
- 13- قاعدة في الجرح والتعديل وقاعدة في المؤرخين لتاج الدين السبكي.
- 14- المتكلمون في الرجال للحافظ المؤرخ محمد بن عبدالرحمن السخاوي.
- 15- ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل للحافظ المؤرخ الإمام الذهبي.
- 16- قصيدة ((عنوان الحكم)) لأبي الفتح البستي.
- 17- الموقظة في علم مصطلح الحديث، للحافظ الذهبي.
- 18- الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء للحافظ ابن عبدالبر.
- 19- سنن النسائي.
- 20- الترقيم وعلاماته في اللغة العربية لأحمد زكي باشا.
- 21- سباحة الفكر في الجهر بالذكر للإمام اللكنوي.
- 22- قفو الأثر في صفو علوم الأثر لابن الحنبلي الحنفي الحلبي.
- 23- بلغة الأريب في مصطلح آثار الحبيب للحافظ المرتضى الزبيدي.
- 24- جواب الحافظ عبد العظيم المنذري عن أسئلة في الجرح والتعديل.

- 25- تحفة الأخيار بإحياء سنة سيد الأبرار صلى الله عليه وسلم للإمام
اللكنوي.
- 26- نخبة الأنظار على تحفة الأخيار للإمام محمد عبدالحی اللکنوی.
- 27- التبيان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن للإمام المحقق الشيخ
طاهر الجزائري.
- 28- توجيه النظر إلى أصول الأثر للإمام طاهر الجزائري.
- 29- ظفر الأماني في شرح مختصر السيد الشريف الجرجاني
للكنوي.
- 30- تصحيح الكتب وصنع الفهارس المعجمة وسبق المسلمين
الإفرنج فيها للعلامة أحمد شاكر.
- 31- تحفة النساك في فضل السواك للعلامة الفقيه عبد الغني الغنيمي
الميداني الدمشقي.
- 32- كشف الالتباس عما أورده الإمام البخاري على بعض الناس
للعلامة الغنيمي.
- 33- رسالة ابن أبي زيد القيرواني في العقيدة الإسلامية.
- 34- التحرير الوجيز فيما يتغيه المستجيز للعلامة المحدث الفقيه
محمد زاهد الكوثري.
- 35- كتاب الكسب للإمام محمد بن الحسن الشيباني بشرح الإمام
شمس الأئمة السرخسي.
- 36- الحث على التجارة والصناعة والعمل للإمام أبي بكر أحمد بن
محمد الخلال الحنبلي.
- 37- رسالة الحلال والحرام وبعض قواعدهما في المعاملات المالية
للشيخ ابن تيمية.
- 38- رسالة الالفة بين المسلمين من كلام شيخ الإسلام ابن تيمية.

- 39- رسالة الإمامة للإمام ابن حزم في جواز الاقتداء بالمخالف في الفروع.
- 40- رسالة الإمام أبي داؤد السجستاني لأهل مكة في وصف كتابه السنن.
- 41- رسالة الحافظ الإمام أبي بكر الحازمي في شروط كتب الأئمة الخمسة.
- 42- رسالة الحافظ محمد بن طاهر المقدسي في شروط كتب الأئمة الستة.
- 43- مكانة الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه في الحديث. تأليف العلامة المحدث الناقد الفقيه الشيخ محمد عبدالرشيد النعماني.
- 44- الإمام ابن ماجه و كتابه السنن للعلامة النعماني.
- 45- التحفة المرغوبة في أفضلية الدعاء بعد المكتوبة للعلامة المحدث الفقيه محمد هاشم التتوي السندي.
- 46- المنح المطلوبة في استحباب رفع اليدين في الدعاء بعد الصلوات المكتوبة للعلامة المحدث الفقيه أحمد بن محمد بن الصديق الغماري الحسني المغربي.
- 47- سنية رفع اليدين في الدعاء بعد الصلوات المكتوبة للعلامة المحدث الفقيه السيد محمد الأهدل اليمني.
- واضح رہے یہ فہرست ان کتب کی ہے جو مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب کی طرف سے شائع کردہ ہیں۔ جو کتب ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئیں ان کی تفصیل الگ ہے۔

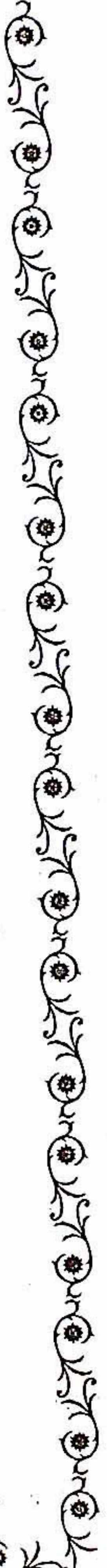
کچھ کتاب کے بارے میں

کتاب کا اصل نام ”قیمۃ الزمن عند العلماء“ ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ کتاب وقت کی قدر و قیمت اور اہل علم کے ہاں اس کی اہمیت کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ اس عنوان کے پیش نظر اس میں وقت سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت اور انسانی ترقی کے مضمحل راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ علمائے اسلام نے وقت کی اہمیت کو کس قدر پہچانا اور اس کی قدر دانی کا کس قدر حق ادا کیا، یہ اس کتاب کا حقیقی موضوع ہے۔

مترجم کے اندازے کے مطابق مصنف نے لگ بھگ ۶۶ برس کی عمر میں اس کتاب کی تالیف کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور ۱۹۸۴ء میں اس کی پہلی اشاعت منظر عام پر آئی جبکہ اس وقت مصنف زندگی کی ۶۸ بہاریں دیکھ چکے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں کتاب کی دوسری اور پاکستان میں پہلی اشاعت ہوئی۔ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء میں مصنف نے کتاب کی نظر ثانی کی اور کتاب کے حجم کو دو گنا کر دیا۔ یوں کتاب نئے وجود کے ساتھ ۱۹۹۰ء میں بیروت سے طبع ہوئی۔ جس ایڈیشن کو سامنے رکھ کر یہ ترجمہ کیا گیا ہے، یہ کتاب ۲۰۰۲ء میں طبع ہونے والا دسواں ایڈیشن ہے۔ غالباً ۱۹۹۰ء کا ایڈیشن مصنف کی زندگی میں طبع ہونے والا آخری ایڈیشن ہے، جس کے بعد اس میں مزید اضافہ جات نہیں کیے گئے۔

اس کتاب کو اللہ پاک نے بہت زیادہ مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء میں جب اس کی پہلی اشاعت منظر عام پر آئی اس وقت سے لے کر اب تک یہ

کتاب دنیا بھر میں، خاص طور پر عالم عرب میں وقت کے موضوع پر ایک حوالے کا درجہ رکھتی ہے۔ اس موضوع پر اس کے بعد جتنی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، ان سب کتب کا بنیادی مرجع و مصدر یہی کتاب رہی ہے۔ اردو زبان میں بھی اس موضوع کے حوالے سے اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔



متاع وقت

بظاہر یہ مختصر سا عنوان ہے، لیکن معانی اور موضوعات کے اعتبار سے اس کے متعدد گوشے ہیں اور اس سلسلے میں لوگوں کی آراء بھی مختلف النوع ہیں، چنانچہ فلاسفہ کے ہاں اس کی قدر و منزلت اپنی نوعیت کی ہے

تاجروں کے ہاں اپنی نوعیت کی
 کاشتکاروں کے ہاں اور نوعیت کی
 کاریگروں کے ہاں اور نوعیت کی
 فوجیوں کے ہاں اور نوعیت کی
 سیاستدانوں کے ہاں اور نوعیت کی
 نوجوانوں کے ہاں اور
 بزرگوں کے ہاں اور

اور

اہل علم اور طلبہ علم کے ہاں اس کی اپنی علیحدہ ہی قدر و منزلت ہے۔
 غرضیکہ ہر طبقہ کے ہاں وقت کی قدر و قیمت اور منزلت دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن میں یہاں وقت کی قدر و قیمت و منزلت جو طلبہ علم اور اہل علم کے ہاں ہے، صرف اس سے متعلق گفتگو کروں گا۔ شاید کہ میں نوجوان طلبہ علم میں سے بلند ہمت حضرات کی توجہ حاصل کر سکوں جبکہ آج کل ہمتیں پست ہو چکی ہیں، محنتی حضرات کی

مسابی بھی ماند پڑ گئی ہیں، علم کی خاطر کڑھنے والے طلبہ معدوم ہوتے جا رہے ہیں، علمی چشمہ ماند پڑتا جا رہا ہے اور سستی اور کاہلی کی فضا چھانے لگی ہے۔ اور یہ کمزوری اور کم ہمتی اہل علم کی صفوں میں بھی دکھائی دینے لگی ہے۔
آئیے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں:

اللہ پاک کی اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں ہیں، انسان نہ تو انہیں شمار میں لاسکتا ہے نہ ہی ان کی حقیقت کا ادراک کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ نعمتیں جہاں کثرت میں ہیں وہیں پے در پے اور مسلسل بھی ہیں اور انسانوں کی قوت مدد کہ میں فرق ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ کی صداقت ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ

كَفَّارٌ﴾ (سورہ ابراہیم: ۳۴)

”اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر (اُن کو) تم شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لاسکتے۔“

اصولی اور فرعی نعمتیں

نعمتیں دو طرح کی ہیں:

کچھ اصولی ہیں اور کچھ فرعی۔

فرعی نعمتیں جیسے: جسمانی، مالی اور علمی اعتبار سے کشادگی، نفل عبادات کی پابندی، جیسے قیام اللیل، کثرتِ تلاوت قرآن اور ذکر الہی، ہاتھ، پاؤں اور چہرے کی سنتوں کی پابندی، عملی سنتیں جیسے دورانِ مجلس مردوں کا خوشبو لگانا، ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا، مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنے پاؤں سے پہل کرنا، باہر نکلتے ہوئے بائیں پاؤں سے پہل کرنا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، اسی طرح کے دیگر آداب، سنتیں، مستحبات اور چند واجبات، یہ سب فرعی نعمتیں ہیں اور عارفین کے لیے یہ بہت واضح اور روشن ہیں۔

اصولی نعمتیں

اصولی نعمتیں بھی بے شمار ہیں۔ سب سے پہلی اصولی نعمت: اللہ اور اس کی طرف سے نازل کردہ باتوں پر ایمان لانا اور جن باتوں کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے ان پر عمل کرنا۔ اسی طرح صحت اور عافیت کی نعمت بھی اصولی نعمت ہے، اسی کی وجہ سے تو سماعت، بصارت، دل اور دیگر اعضاء محفوظ و سلامت ہیں اور یہی تو انسانی حرکت اور انسانی وجود سے استفادے کا محور ہے۔

علم کی نعمت بھی اصولی نعمتوں میں سے ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے، انسانی ترقی اور دنیا و آخرت کی تمام تر کامیابی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ غرضیکہ علم بہت بڑی نعمت ہے، یہ ہر حال میں نعمت ہے۔ اس کا حاصل کرنا نعمت، اس سے فائدہ اٹھانا نعمت، اس کے ذریعے فائدہ پہنچانا نعمت، اسے سدا بہار کرنا اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا نعمت، لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت کرنا نعمت۔

یوں تو اصولی نعمتوں کی بہت سی مثالیں ہیں لیکن وقت کی قدر و قیمت کا لحاظ رکھتے ہوئے میں انہیں طول دینا نہیں چاہتا۔

سب سے بڑی اصولی نعمت

سب سے بڑی اور قیمتی نعمت وقت کی نعمت ہے۔ اسی کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے میں نے یہ اوراق ترتیب دیئے ہیں۔ لیکن یہاں صرف اہل علم اور طلبہ علم کے حوالے سے اس نعمت کے بارے میں بات ہوگی۔

وقت ہی عمر حیات، انسانی وجود کا میدان اور وجود انسانی کے سائے، بقاء، نفع اٹھانے اور نفع دینے کا اکھاڑا ہے۔ اصولی نعمتوں میں اس نعمت کی عظمت کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔

بہت ساری آیات وقت کی قدر و قیمت، منزلت اور بلند مرتبے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

وقت کی قدر و قیمت..... برہان قرآن

یہاں میں صرف چند آیات پر اکتفاء کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس نعمت عظمیٰ کا احسان بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَأَتَكُم مِّنْ كُلِّ مَّاءٍ سَالْتَمُوهُ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (سورہ ابراہیم: ۳۲ تا ۳۴)

”اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے بارش برسائی، پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے تابع کیا، تاکہ دریا میں اس کے حکم سے چلیں، اور نہروں کو بھی تمہارے تابع کیا اور سورج چاند کو تمہارے لیے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں اور دن اور رات کو بھی تمہارے کام میں لگا دیا، جو کچھ تم نے مانگا سب تمہیں عطا کیا، اگر خدا کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو، بلاشبہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمتوں میں رات اور دن کی نعمت کا تذکرہ کیا ہے اور یہی دو چیزیں زمانہ ہیں جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ یہ اتنی بڑی کائنات اپنی ابتداء سے لے کر انتہائی انتہا تک اسی سے گزر رہی ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ پاک اس احسان کی تاکید فرماتے ہیں:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ

بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (سورہ النحل: ۱۲)

”اور اس نے تمہارے لیے دن اور رات، سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اسی کے حکم سے ستارے کام میں لگے ہوئے ہیں، سمجھنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔“

آیت کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان نعمتوں میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل و تدبیر سے کام لیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا﴾ (سورہ بنی اسرائیل: ۱۲)

”اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے، رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور دن کی نشانی کو روشن، تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو اور برسوں کا شمار اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمِن آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ آيَاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (سورہ فصلت: ۳۷)

”اور رات اور دن، سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں، تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ خدا ہی کو سجدہ کرو، جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے زمانے، مکان اور ان میں پائی جانے والی زمانی اور مکانی چیزوں کے مالک ہونے پر فخر کیا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (سورہ انعام: ۱۳)

”اور جو مخلوق رات اور دن میں بستی ہے سب اسی کی ہے اور وہ خوب سنتا اور جانتا ہے۔“

عمر برباد کرنے پر کفار مستحق ملامت

کفار نے چونکہ اپنی عمریں برباد کیں، عمر بھر کفر پر ڈٹے رہے۔ درازی عمر کے باوجود کفر کی تاریکیوں سے نکل کر نور ایمان سے منور نہ ہو سکے، حالانکہ خدا نے انہیں لمبی عمر اور طویل وقت دیا، اس پر انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے اور کفار کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد باری ہے:

﴿أَوَلَمْ نَعْمِرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ (سورہ فاطر: ۳۷)

”کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہنا سوچ لینا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا ہے، تو اب مزے چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے درازی عمر کو بصیرت و نصیحت کے حصول کا موجب اور ایمان و نصیحت کے لیے میدان عمل قرار دیا ہے۔ اور عمر جو کہ زمانہ ہے، جسے انسان حیات بخشتا ہے، کو انسان کے خلاف حجت ٹھہرایا ہے، جس طرح رسالت اور ڈرانے کو انسان کے خلاف حجت ٹھہرایا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں راقم طراز ہیں:

”کیا تم اس دنیا میں اس قدر نہ جیے کہ اگر تم مدت عمر میں اس سے منتفع ہونا چاہتے تو ہو سکتے!“

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:

اعلموا ان طول العمر حجة، فنعوذ بالله أن نعير بطول العمر.

”جان لو! درازی عمر حجت ہے، خدا کی پناہ کہ ہمیں درازی عمر کا عار دلایا جائے۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۵/۵۸۹-۵۹۰)

اب کوئی عذر قابل قبول نہیں!

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

أَعذِرُ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ إِلَىٰ أَمْرٍ آخِرَ عَمْرِهِ حَتَّىٰ بَلَغَهُ سِتِينَ سَنَةً.
 ”جسے اللہ نے ساٹھ سال زندگی بخش دی اس کے عذر کو اللہ نے ختم کر دیا۔“
 (بخاری، کتاب الرقاق، باب من بلغ ستين سنة فقد اعذر الله اليه في
 العمر: ۱۱/۲۳۸)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من عمره الله تعالى ستين سنة، فقد أعذر إليه في العمر.
 ”جسے اللہ نے ساٹھ سالہ زندگی عطا فرمائی تو اس عمر میں اس کے عذر کو ختم کر
 دیا۔“ (مسند احمد: ۲/۴۱۷)

عذر ختم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے عمر کے اتنے لمبے حصے میں اسے
 ڈھیل دیے رکھی لیکن اس نے راہ راست کا انتخاب نہ کیا، لہذا اس طویل مہلت کے بعد
 اب کوئی عذر قابل قبول نہیں۔

اللہ پاک نے زمانے کی قسم کھائی ہے

سابقہ جو آیات میں نے ذکر کی ہیں ان کے علاوہ دیگر بہت سی آیات ہیں جو
 اس اصولی نعمت کی بڑائی کو بیان کرتی ہیں۔ اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ اللہ پاک نے قرآن
 کریم میں زمانے کے مختلف اطوار کی قسم کھائی ہے، جو زمانے کی اہمیت اور مرتبے کو بتلاتی
 ہیں۔ اللہ پاک نے دن، رات، فجر، صبح، شفق، چاشت اور عصر کے وقت کی قسم کھائی ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ (سورہ لیل: ۱-۲)

”قسم ہے رات کی جب کہ وہ (آفتاب اور دن کو) چھپا لے اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو جائے۔“

﴿وَاللَّيْلِ إِذَا دُبِرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ﴾ (سورہ مدثر: ۳۳-۳۴)
 قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے۔“

﴿وَاللَّيْلِ إِذَا عَسَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾

(سورہ تکویر: ۱۷-۱۸)

”قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ آنے لگے۔“

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾

(سورہ انشقاق: ۱۶-۱۷)

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے۔“

﴿وَالفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ (سورہ فجر: ۱-۲)

”قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔“

﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ﴾ (سورہ الضحیٰ: ۱-۲)

”قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے۔“

﴿وَالعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ (سورہ عصر: ۱-۲)

”قسم ہے زمانے کی، انسان نقصان میں ہے۔“

زمانے کے ذریعے اللہ پاک نے جس چیز کی بھی قسم کھائی ہے وہ بہت اہمیت

کی حامل ہے۔ اور زمانے کی قسم دو اہم معاملات میں کھائی ہے:

① حضور ﷺ کی مشرکین اور دشمنوں کے اس خیال سے براءت کے لیے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا ہے۔

② دوسری جگہ اس بات کو بیان کیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور پھر اعمال صالحہ

کیے، ان کے علاوہ ہر انسان ناکام اور ہلاکت میں ہے۔ زمانے کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد باری ہے:

﴿وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی﴾

(سورہ ضحیٰ: ۱-۳)

”آفتاب کی روشنی کی قسم اور رات کی تاریکی کی قسم جب وہ چھا جائے، نہ تو آپ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی ناراض ہوا۔“

ارشاد باری ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا

الصّٰلِحٰتِ وَتَوٰصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوٰصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (سورہ عصر)

”عصر کی قسم! انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے

اور نیک عمل کرتے رہے اور اس میں حق بات کی تلقین اور صبر کی

تاکید کرتے رہے۔“

امت محمدیہ کے بڑے عالم، ترجمان قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں:

العصر هو الزمن.

”عصر سے مراد زمانہ ہے۔“

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

سورہ عصر کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ پاک نے عصر یعنی زمانے کی قسم کھائی ہے، کیونکہ اس میں تعجب خیز چیزیں

ہیں۔ اسی میں خوشی اور غمی، بیماری اور تندرستی، مالداری اور فقر حاصل ہوتے

ہیں، زندگی کے نفیس پن اور قیمتی پن کا مدار اسی پر ہے۔

اگر آپ ہزار سال بے مقصد ضائع کر دیں اور زندگی کے آخری لمحے توبہ کر

کے سعادت کے حق دار ہو جائیں تو آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں

رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے اشرف و اعلیٰ چیز اس لمحے کی آپ کی زندگی ہے۔ سو زمانہ اصولی نعمتوں میں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ اللہ پاک نے متنبہ کیا ہے کہ دن اور رات غنیمت کا موقع ہیں جنہیں انسان ضائع کر رہا ہے۔ زمانہ مکان سے اشرف ہے اسی وجہ سے اس کی قسم کھائی ہے۔ کیونکہ زمانہ بے عیب خالصتاً نعمت ہے۔ عیب دار اور نامراد تو انسان ہے۔ (مفاتیح الغیب: تفسیر کبیر: ۸۴/۳۲)

قرآن کریم میں وقت کی اہمیت اور عظمت کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے یہ اس کا ایک گوشہ ہے۔

متاع وقت..... از روئے حدیث

سنت مطہرہ میں اس حوالے سے خوب وضاحت موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعمتان مغبون فیہما کثیر من الناس: الصحة و الفراغ.
 ”دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سارے لوگ نقصان میں مبتلا ہیں:
 صحت اور فراغت۔“

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الرقاق وان لا عیش الا عیش الآخرة: ۲۲۹/۱۱، جامع الترمذی، کتاب الزهد، باب الصحة و الفراغ نعمتان: ۵۵۰/۲، سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب الحکمة: ۱۳۹۶/۲)

مطلب یہ ہے کہ بہت سارے لوگ نقصان میں ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے: نعمت وہ ہوتی ہے جس سے انسان متمتع اور لطف اندوز ہو۔ اور غبن (حدیث میں مغبون کا لفظ آیا ہے) کہتے ہیں دوگنی قیمت کے ساتھ خریدنا یا بغیر نفع مثلی قیمت کے ساتھ بیچنا۔ سو جس آدمی کا بدن تندرست و صحت مند ہو اور مانع اور رکاوٹ سے اسے فراغت ہو لیکن پھر بھی اصلاح آخرت کے لیے اس کے پاس گنجائش نہ ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسے خرید و فروخت میں نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت صحت اور فراغت سے فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ ان کا بے جا استعمال کرتی ہے۔ یوں صحت اور فراغت دونوں لوگوں کے لیے ہلاکت کا باعث بن جاتی ہیں۔ اگر لوگ ان کا بر محل استعمال کریں تو کیا ہی اچھا ہو!

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان صحت مند تو ہوتا ہے لیکن فراغت میسر نہیں ہوتی، معاشی مشاغل میں گرفتار ہوتا ہے، کبھی فراغت تو دستیاب ہوتی ہے لیکن صحت مند نہیں ہوتا۔ جب دونوں میسر ہوں لیکن انسان سستی اور کاہلی سے کام لے تو وہی دھوکے کا شکار ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا میں وہ تجارت ہے جس کا نفع آخرت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کسی نے فراغت اور صحت کو اطاعت خداوندی میں استعمال کیا وہ قابل رشک ہے اور جس نے نافرمانی میں صرف کیا وہ دھوکے کا شکار ہے۔ کیونکہ فراغت کے بعد مشغولیت اور صحت کے بعد بیماری کا دور دورہ ہے۔ بیماری اور مشغولیت نہ بھی ہو تو بڑھا پاپا ہی کافی ہے۔

وقت بہت بڑی نعمت اور عطائے خداوندی ہے۔ جنہیں توفیق خداوندی نصیب ہوتی ہے صرف وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ ”بہت سارے لوگ دھوکے کا شکار ہیں۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں، اکثریت دھوکے کا شکار ہے۔

امام ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ غیرت کی قدر و منزلت، اور اس کی عمومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ”مدارج السالکین“ میں وقت کے حوالے سے غیرت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

وقت کے حوالے سے غیرت مفقود ہو چکی ہے، اور یہ غیرت قاتل ہے۔ کیونکہ زمانہ سبک رفتار، نظر انداز کرنے والا اور سستی سے پلٹنے والا ہے۔ عابد کے ہاں وقت وہی ہے جو عبادت اور اوراد میں صرف ہو اور مرید کے ہاں وقت وہی ہے جو توجہ الی اللہ اور رجوع الی اللہ میں خرچ ہو۔ اس کے نزدیک وقت عزیز ترین چیز ہے۔ اگر بے مقصد ضائع ہو جائے تو اسے غیرت کھا جاتی

ہے، کیونکہ اگر وقت ضائع ہو جائے تو اس کی تلافی کسی صورت ممکن نہیں، کیونکہ دوسرے وقت کے اپنے واجبات ہیں، جب ایک وقت ضائع ہو گیا تو اب اس کی تلافی ممکن نہیں۔

”غیرت قاتل“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تاثیر قتل کی سی ہے کیونکہ فوت شدہ چیز کی حسرت مار ڈالتی ہے۔ خصوصاً جب انسان کو پتہ ہو کہ اب اسے پانے کی کوئی راہ نہیں۔ نیز فوت شدہ پر غیرت کھانا ایک اور ضیاع ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: گزرے وقت پر ندامت کرنا موجودہ وقت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے:

﴿الوقت كالسيف ان لم تقطعه قطعك﴾

”وقت تلوار کی مانند ہے اگر آپ نے اسے نہ کاٹا تو وہ آپ کو کاٹ ڈالے گا۔“

وقت خود بخود ختم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جو غافل رہتا ہے اس کے اوقات ختم ہوتے جاتے ہیں، خسارہ بڑھتا جاتا ہے اور حسرتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وقت کے ضیاع کے بعد جب انسان کو ضائع شدہ مقدار کا علم ہوگا تو اس کا کیا حال ہو

ابن ابی جمرة لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ وقت کو عمل کے ذریعے کاٹیں، تاکہ وہ آپ کو ٹال مٹول کے ذریعے نہ کاٹ دے۔ (بہجة النفوس: ۹۶/۳)

یہ معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں: اگر آپ وقت سے فائدہ اٹھانے کے لے ہو شیار اور چوکنے نہیں رہیں گے تو آپ بھی اس شخص کی طرح ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے جس کی طرف تلوار کی ضرب آئے اور وہ اسے پیچھے دھکیلنے اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے چوکنہ نہ ہو تو تلوار اسے کاٹ کر ہلاک کر دے گی۔ چنانچہ وقت کاٹنے والی تلوار اور بجلی کی چمک کی مانند ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وكن عارماً كالوقت فالوقت في عسى وياك علا فھي اخطر علة

کہتے ہیں: قابل نفرت اور ناپسندیدہ ہونے کی علامت وقت کا ضیاع ہے۔



گا؟ وہ وقت کی واپسی کی تمنا کرے گا لیکن واپسی کی کوئی صورت نہ نکل سکے گی!
فوت شدہ کو پالینے کی تمنا کرے گا لیکن بھلا آج، کل کو کیسے لوٹایا جاسکتا ہے!؟

﴿وَأَنى لَهُمُ التَّنَاوُسُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ (سورہ سبا: ۵۲)

”اتنی دور جگہ سے ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے۔“

انسان اپنی من پسند چیز سے روک دیا جائے گا اور اسے معلوم ہوگا کہ جو کچھ
اس نے کمایا ہے عقلمند کو یہ زیب نہیں دیتا۔ اور اس کے اور اس کی خواہشات
کے مابین رکاوٹ حائل کر دی جائے گی!

فيا حسرات، ما إلى رد مثلها

سبيل! ولو ردت لَهان التحسُّر!

”ہائے حسرت! اس کا مثل پانے کا کوئی راستہ نہیں اگر وہ لوٹ آتا

تو پچھتا نا آسان ہو جاتا!“

آنے والے لمحات بادل سے زیادہ تیزی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور ان میں
موجود وقت ختم ہوتا جاتا ہے، آپ کے ہاتھ میں صرف نشانات ہی رہیں
گے۔ اپنے لیے وہی وقت پسند کیجیے جو آپ پر کچھ لوٹا دے۔ کیونکہ وہ لامحالہ
لوٹ کر آئے گا۔ اسی وجہ سے جنت میں خوش نصیبوں سے کہا جائے گا:

﴿كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾

(سورہ حاقہ: ۲۴)

”کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلے میں جو تم نے

گزشتہ ایام میں کیے۔“

اس آیت کریمہ میں آخرت میں ان کفار کی حالت بیان کی گئی ہے، جنہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو
ایمان کی دولت سے محروم رکھا۔ یعنی اب آخرت میں ایمان کا پانا اور کفر سے توبہ کرنا کہاں ممکن رہا؟
حالانکہ دنیا میں یہ ممکن تھا لیکن انہوں نے موقع گنوا دیا! اب دنیا سے دور ہو کر آخرت میں اسے کیسے
حاصل کر سکتے ہیں!؟

اور عذاب جہنم میں گرفتار بد بختوں سے کہا جائے گا:

﴿ذَلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ﴾ (سورہ المؤمن: ۷۵)

”یہ سزا اس کے بدلے میں ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور اس کے بدلے میں ہے کہ تم اتراتے تھے۔“

(مدارج السالکین: ۳/۲۹)

گیا وقت ہاتھ نہیں آتا

امام ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اور آخرت کے بارے میں جو فکر ہے وہ سب سے اعلیٰ اور مفید ترین ہے، جن افکار کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ان کی پانچ قسمیں ہیں..... پانچویں قسم یہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادائیگی امور کی فکر کرنا اور بھرپور عزم کا اظہار کرنا۔ اگر انسان وقت کو ضائع کر دے گا تو اس کی تمام مصلحتیں ضائع ہو جائیں گے۔ تمام مصالح کا دار و مدار وقت پر ہے اور جب وقت ضائع ہو گیا تو پھر وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحبت الصوفیة، فلم استفد منهم سوى حرفین، أحدهما قولهم: الوقت سيف، فإن لم تقطعه قطعك، وذكر الكلمة الأخری، و: نفسك إن شغلتها بالحق وإلا شغلتك بالباطل.

ایک مدت تک میں صوفیائے کرام کے پاس رہا، ان کی صحبت سے مجھے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ

”وقت تلوار کی مانند ہے آپ اس کو کسی کام میں کاٹیے ورنہ وہ آپ کو کاٹ ڈالے گا۔“

اور دوسری یہ کہ اپنے نفس کی حفاظت کریں کیونکہ اگر آپ نے اسے اچھے کام

میں مشغول نہ رکھا تو وہ آپ کو کسی برے کام میں مشغول کر دے گا۔
 درحقیقت وقت ہی انسان کی عمر ہے، وقت ہی جنت میں دائمی حیات کا مادہ
 اور دردناک عذاب میں مبتلا پیزار زندگی کا مادہ ہے۔ وقت بادلوں سے زیادہ
 تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ جو وقت اللہ کی اطاعت میں گزر جائے وہی
 دراصل زندگی ہے۔ اس کے علاوہ جو لمحات ہیں وہ اس کی زندگی میں شمار نہیں،
 خواہ کتنی ہی طویل زندگی کیوں نہ ہو۔ اور جو وقت غفلت، شہوت رانی اور
 جھوٹی امیدیں باندھنے میں گزر گیا تو ایسا وقت چو پاؤں کے مثل زندگی
 ہے۔ اور جس کا بہترین وقت سونے اور فضولیات میں گزرا ہو اس کے لیے
 مرنا جینے سے بہتر ہے۔ اور جو بندہ نماز میں ہو تو جتنی دیر نماز اسے مشغول
 رکھے تو اس کی زندگی وہی ہے جو اللہ کی خاطر خرچ ہو رہی ہے۔

(الجواب الكافي لمن سئل عن الدواء الشافي: ۲۰۸، ۲۰۹)

اسلاف کی حفاظت وقت

سلف صالحین اور ان کے نقش قدم پہ گامزن حضرات وقت سے فائدہ اٹھانے
 اور اسے بھلائی کے کاموں میں استعمال کرنے کے شدید خواہش مند ہوتے تھے۔ اس
 سلسلے میں علماء اور عبادت گزار صوفی سب برابر تھے۔ وقت کی اہمیت اور اس بات کو مد نظر
 رکھتے ہوئے کہ کہیں ان کا وقت بے کار نہ چلا جائے وہ ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھانے
 کے درپے رہتے تھے۔

سورج کو روک لو

عامر بن عبد قیس بڑے زاہد و تابعی گزرے ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے
 کہ کسی نے ان سے کہا:
 مجھ سے گفتگو فرمائیے!
 فرمانے لگے: سورج کو روک لو۔

یعنی سورج کو میرے لیے روک لو وہ اپنی گردش بند کر دے تاکہ میں تم سے بات کر لوں۔

کیونکہ وقت مسلسل چلتا رہتا ہے، گزر جانے کے بعد واپس نہیں لوٹتا۔ اس کے خسارے کی تلافی ممکن نہیں کیونکہ ہر وقت کے لیے علیحدہ کام ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پشیمانی

جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماندمت علی شیء ندمی علی یوم غربت شمسہ، نقص فیہ
أجلی، ولم یزد فیہ عملی.

”جتنی ندامت مجھے اس دن پر ہوتی ہے جس کا سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے
اتنی کسی اور چیز پر نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی وجہ سے میری اجل (مدت عمر) میں
کمی آگئی جبکہ میرے عمل میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔“

دن، رات تجھ میں کوشاں ہیں

خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الليل والنهار یعملان فیک، فاعمل فیہما.
دن اور رات تجھ میں کار فرما ہیں تو بھی ان میں عمل کر۔

تو مجموعہ ایام ہے

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یا ابن آدم، إنما أنت أيام، فإذا ذهب یوم ذهب بعضک.

”اے ابن آدم! تو ایام ہی کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر جائے تو یوں سمجھ

وقت کی قیمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ فقہاء کے نزدیک بیچ میں ”اجل (مدت)“ شمن کے

مد مقابل ہے۔ وقت کی جتنی چاہے قیمت رکھ لیں، یہ مال کے برابر ہے۔

کہ تیرا ایک حصہ بھی گزر گیا۔“

اور فرماتے تھے:

أدرکت أقواماً كانوا على أوقاتهم أشد منكم حرصاً على

دراهمكم ودينانيركم.

”میں نے ایسی قومیں دیکھی ہیں جن کے ہاں وقت کی قدر و قیمت تمہاری
دنانیر اور دراہم کی محبت سے کہیں زیادہ تھی۔“

حماد بن سلمہ کا علمی انہماک

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام و محدث حماد بن سلمہ بصری بزاز خرقی کے حالات زندگی

میں لکھتے ہیں:

آپ امام، محدث، نحوی، حافظ، قدوہ، شیخ الاسلام، ۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور
۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ آپ نے ابن ابی عروبہ کے ساتھ مل کر سب سے
پہلے تصنیفی کام کا آغاز کیا۔ عربی زبان کے بہت بڑے ماہر، فصیح و بلیغ، فقیہ اور
مجمع سنت تھے۔ آپ کا شمار عبادت گزاروں میں ہوتا تھا۔

آپ کے شاگرد عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں:

اگر حماد بن سلمہ سے کہا جائے کہ إنك تموت غداً ما قدر أن يزيد في
العمل شيئاً. آپ کل مرجائیں گے تو وہ کوئی مزید کام نہ کر سکیں گے۔

موسیٰ بن اسماعیل تبوزی کہتے ہیں:

اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا تو یہ
سچ ہوگا، آپ ہمیشہ مشغول رہتے۔ کبھی احادیث بیان کرتے رہتے،
کبھی مطالعہ، کبھی تسبیح اور کبھی نماز پڑھتے رہتے۔ اپنے دن کی یوں تقسیم
کر رکھی تھی۔

یونس مؤدب کہتے ہیں:

حماد بن سلمہ کا انتقال دوران نماز ہوا۔

(تذكرة الحفاظ: ۱/۲۰۲، سير اعلام النبلاء: ۷/۴۴۷)

وہ ساعتیں مجھ پر بڑی گراں گزرتی ہیں

ابو ہلال عسکری کہتے ہیں:

خلیل بن احمد فراہیدی بصری دنیا کے ذہین ترین آدمیوں میں سے تھے۔

آپ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

أثقل الساعات علي: ساعة أكل فيها.

وہ ساعتیں مجھ پر بڑی گراں گزرتی ہیں جن میں میں کھانا کھاتا ہوں۔

(الحث علی طلب العلم والاجتهاد فی جمعہ: ۸۷)

اللہ اکبر! ان حضرات کے ہاں علمی فنائیت اور وقت پر غیرت کس قدر تھی!

اس روگ کا کیا کروں!

امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی ثم بغدادی جو کہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید اور آپ کے علوم اور مذہب کے ناشر تھے۔ تین عباسی خلفاء: مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے قاضی رہے۔ قاضی القضاة (چیف جسٹس) کا لقب سب سے پہلے آپ ہی کو ملا۔ آپ کو ”قاضی قضاة الدنیا“ (دنیا بھر کے چیف جسٹس) کہا جاتا تھا۔

نزع کا عالم ہے اور آپ عیادت کے لیے آنے والوں سے فقہی مسائل میں گفتگو فرما رہے ہیں، تاکہ کسی طالب اور خواہش مند کو نفع پہنچ جائے۔ زندگی کے آخری لمحات کو بھی مذاکرہ علمی اور علمی افادے و استفادے سے خالی نہیں چھوڑنا چاہتے۔

آپ کے شاگرد قاضی ابراہیم بن جراح کوفی ثم مصری کا بیان ہے:

جب امام ابو یوسف بیمار ہوئے تو میں عیادت کی غرض سے گیا۔ آپ پر بے



ہوشی طاری تھی۔ کچھ طبیعت سنبھلی تو فرمانے لگے:

ابراہیم! اس مسئلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

میں نے کہا: حضرت اس حالت میں بھی!

فرمانے لگے: کیا حرج ہے؟ شاید کسی کی نجات کا ذریعہ ہو جائے!

پھر فرمانے لگے: ابراہیم! رمی جمار (دوران حج شیطان کو کنکریاں مارنا) پیدل

افضل ہے یا سوار ہو کر؟

میں نے کہا: سوار ہو کر۔

فرمایا: غلط۔

میں نے کہا: پیدل

فرمایا: غلط

میں نے کہا: آپ ہی ارشاد فرمائیں!

فرمانے لگے: جس رمی کے بعد دعا کے لیے ٹھہرنا ہو وہ پیدل افضل ہے ورنہ

سوار ہو کر افضل ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ میں رخصت لے کر ابھی دروازے سے ہی گزرا تھا کہ آہ

و بکاسنائی دی۔ آپ ﷺ کی روح پرواز کر چکی تھی۔!

اسلاف کے ہاں وقت کی قدر و منزلت یہ تھی! خیابان دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی علمی

مسائل میں منہمک ہیں، ان حضرات کی شان ہی نرالی ہے! انہیں علم سے کس قدر لگاؤ تھا!

ابن ابی حاتم کہتے ہیں: امام مزنی کو میں نے یہ کہتے سنا:

امام شافعی ﷺ سے کسی نے پوچھا: علم کے لیے آپ کی کتنی چاہت ہے؟

فرمایا: جب میں کوئی ایسی علمی بات سنتا ہوں جسے میں نے پہلے نہ سنا ہو تو میرے وجود کے

اعضاء یہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش ان کے بھی کان ہوتے، جس طرح میرے دوکان اس

بات سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، تمام اعضاء بھی لطف اندوز ہوتے۔

پھر پوچھا گیا: آپ علم کے کس قدر حریص ہیں؟

فرمایا: جتنی حرص اس جماعت کی ہوگی جسے مال کی لذت تک پہنچنے سے روک دیا گیا ہو۔*

نہ ہو قناعت شعار سچین، اسی سے قائم ہے شان تیری
و فور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا
یہ ہے علماء و مشائخ کا طریقہ! وہ فرماتے ہیں:

طلب العلم من المهد الى اللحد

”پنگھوڑے سے لے کر قبر تک طلب علم ہونی چاہیے۔“

(فضائل ابی حنیفہ واصحابہ لابی العباس بن ابی العوام۔ مناقب ابی حنیفہ
للموفق المکی: ۱/۲۸۱، مناقب ابی حنیفہ لحافظ الدین الکردری: ۲/۴۰۵،
الجواهر المضیة للحافظ القرشی: ۱/۷۶)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا علمی انہماک

امام ابو یوسف اپنے شیخ و مربی امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہمیشہ رہتے تھے، ۷۱ یا
۲۹ سال تک آپ کے زیر سایہ رہے۔ امام صاحب کی معیت میں کبھی فجر کی نماز فوت نہ
کی، عید الفطر اور عیدالضحیٰ میں بھی مرض کے علاوہ داغ مفارقت نہ دیا۔
محمد بن قدامہ کہتے ہیں کہ میں نے شجاع بن مخلد کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں
نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا:

میرا بیٹا فوت ہو گیا لیکن میں اس کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکا۔ میں
نے اسے پڑوسیوں اور اعزہ و اقارب کے حوالے کر دیا۔ اس اندیشے سے کہ

پھر پوچھا گیا: آپ کو علم کی طلب کس قدر ہے؟

فرمایا: جتنی طلب اس عورت کو اپنے بچے کی ہوتی ہے جسے وہ کھوپٹھتی ہے اور اس دنیا میں اس کا
کوئی دوسرا بھی نہ ہو۔

اس علمی شغف اور شوق کی بدولت نبوغ فی العلم اور امامت کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔

(توالی التانیس بمعالی محمد بن ادریس للحافظ ابن حجر: ۱۰۵)

یہ حدیث نبوی نہیں بلکہ ایک قول زریں ہے۔ بعض لوگ اسے حدیث رسول کہتے ہیں حالانکہ کسی
دوسرے کلام کی حدیث رسول کی طرف نسبت کرنا سخت گناہ ہے۔ اس سے احتراز بہت ضروری ہے۔



کہیں امام ابوحنیفہ کے درس کی کوئی چیز میرے ہاتھ سے نکل جائے اور جس کی حسرت مجھے ہمیشہ رہے۔ (مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق المکی: ۱/۲۷۲)

لیلی بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!

علامہ طاشکبری رقم طراز ہیں:

محمد بن حسن شیبانی کوفی بغدادی جو کہ امام، فقیہ، مجتہد، محدث اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے، ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ آپ رات بھر سویا نہ کرتے تھے۔ اپنے پاس کتابیں رکھتے۔ جب ایک فن سے اکتا جاتے تو دوسرے میں مشغول ہو جاتے اور پانی کے ذریعے نیند اڑایا کرتے تھے اور فرماتے:

إن النوم من الحرارة.

نیند حرارت کی وجہ سے آتی ہے۔ (مفتاح السعادة و مصباح السيادة: ۱/۲۳)

تو رہ نور و شوق ہے منزل نہ کر قبول لیلی بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

ایک دینار کا قلم

علامہ طاشکبری زادہ مزید لکھتے ہیں:

عصام بن یوسف جو بلخ کے رہنے والے تھے اور حنفی فقیہ اور بلخ کے محدث تھے، ۲۱۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے ایک دینار کا قلم خریدا تا کہ جو کچھ سنا تھا اسے فوراً لکھ لیں۔ کیونکہ انسان کی عمر بہت کم اور علمی ذخیرہ بہت زیادہ ہے۔ سو طالب علم کو چاہیے کہ اپنے اوقات ضائع نہ کرے اور فراغت کے ایام کو غنیمت جانے، مشائخ کو نعمت سمجھے اور ان سے استفادہ کرے، کیونکہ ہر کھوئی ہوئی چیز کو دوبارہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

ولست بمدركٍ مافاتٍ منی بلهف و بلیت و لالوانی
”جو چیز مجھ سے کھو چکی میں اسے افسوس اور ”ہائے کاش“ کہہ کر

حاصل نہیں کر سکتا۔“

اسی طرح محمد بن سلام بیکندی جو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ ان کا انتقال ۲۲۷ھ میں ہوا۔ یہ ایک روز اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھے تھے، شیخ حدیث لکھوا رہے تھے اور یہ لکھ رہے تھے، اس دوران ان کا قلم ٹوٹ گیا تو انہوں نے آواز لگوائی:

”ایک دینار میں کوئی قلم دے گا؟“

تو ان پر قلموں کی بارش ہو گئی۔

(عمدة القاری للعینی: ۱/۱۶۵، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انا اعلمکم باللہ.....)

کیسی سخاوت تھی! یہ صرف اس وجہ سے تھا کہ انہیں وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ تھا اور اس وقت میں جو لکھا جا رہا تھا یہ اس کے قدر آشنا تھے۔ یہ عالم بلکہ طالب علم جو وقت کی قدر و قیمت جانتے تھے انہوں نے ایک قلم حاصل کرنے کے لیے سونا اور دینار لوٹا دیئے۔

اتنی فرصت ہی نہ پائی جو ٹھہر کے دیکھتے!

محدث کبیر ابو محمد عبید بن یعیش کوفی محاطی، العطار جو کہ امام بخاری اور امام مسلم کے استاد ہیں، امام بخاری نے ”جزء رفع الیدین“ میں، امام مسلم نے ”صحیح“ میں، امام نسائی، ابوزرعہ الرازی، محمد بن ایوب بجلي اور خلق کثیر نے آپ سے روایات کی ہیں، رمضان ۲۲۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

عمار بن رجاہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ کو خود کہتے سنا:
تیس سال تک میں نے رات کا کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا۔ میری بہن لقمے میرے منہ میں ڈالتی جاتی تھیں اور میں حدیث لکھتا جاتا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱۱/۲۵۸، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع للخطیب: ۲/۱۷۸)

تھا بہت دلچسپ، نیرنگ سراب زندگی اتنی فرصت ہی نہ پائی جو ٹھہر کے دیکھتے

عشق است و ہزار بدگمانی!

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں حضرت اسامہ بن زید کے سہارے گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے قطری (قطر کا بنا ہوا) لباس زیب تن فرما رکھا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

(مسند احمد: ۲۶۶/۳، الشمانل للترمذی، باب ماجاء فی لباس رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۶۰)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبد بن حمید۔ جو کہ امام ترمذی کے استاد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ محمد بن فضل نے انہیں بتایا کہ یحییٰ بن معین جب پہلی بار ان کی مجلس میں آئے تو اس حدیث کے بارے پوچھا، تو میں نے سند بیان کرنی شروع کی، تو یحییٰ کہنے لگے: اگر کتاب سے دیکھ کر ہو جائے.....

تو میں کتاب لانے کے لیے اٹھا تو میری قمیض پکڑ لی اور کہنے لگے:

امله علي، فإني أخاف أن لا ألقاك.

”سردست املاء کروادیتجیے! کیا معلوم کہ پھر ملاقات نہ ہو۔“

محمد بن فضل کہتے ہیں: میں نے املاء کروائی پھر کتاب لا کر پڑھوائی۔

فن حدیث کے یکتا امام

اس روایت کو بھر پور طریقے سے سمجھنے کے لیے امام یحییٰ بن معین کے کچھ حالات کا تذکرہ کرتے چلتے ہیں۔

امام، حافظ، نقاد، سید الحفظ، ملک الحفظ، شیخ الحدیث ابو زکریا یحییٰ بن معین بن عون بن زیاد بن بسطام، آپ عربی نہ تھے، بلکہ بنو مر کے ایک شخص کے موالی تھے، اسی وجہ سے آپ کو مری بھی کہا جاتا ہے۔ پیدائش اور نشوونما کے اعتبار سے بغدادی تھے۔ آپ کا شمار کبار محدثین میں ہوتا ہے۔

۱۵۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور دس سال کی عمر میں لکھنا شروع کر دیا۔ آپ کے والد معین اسی شہر کے خراج کو لکھنے والے عبداللہ بن مالک کے اجل کاتبوں میں سے تھے۔ انہوں نے وراثت میں آپ کے لیے دس لاکھ درہم چھوڑے۔ آپ نے وہ سب کے سب تحصیل علم حدیث میں لگا دیے حتیٰ کہ پہننے کے لیے آپ کے پاس جوتا تک نہ رہا۔

عبداللہ بن مبارک، ہشیم بن بشیر، اسماعیل بن عیاش، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق صنعانی (یمن)، وکیع بن جراح، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمن بن مہدی اور بہت سے شیوخ سے عراق، شام، جزیرہ، مصر اور حجاز میں سماع حدیث کیا۔

امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، عباس دوری بغدادی (آپ کے علوم کے راوی)، ابوزرعہ رازی، ابو حاتم رازی، عثمان بن سعید دارمی، ابویعلیٰ موصلی اور خلق کثیر نے آپ سے سماع حدیث کیا۔

دس لاکھ احادیث کی کتابت کی

علی بن مدینی کہتے ہیں:

محدثین کے علم کی انتہا یحییٰ بن معین پر ہوتی ہے۔

عبدالخالق بن منصور نے عبداللہ بن رومی سے پوچھا کہ میں نے بعض محدثین کو یحییٰ بن معین کی روایات یوں روایت کرتے سنا:

حدثنی من لم تطلع الشمس علی اکبر منہ

”مجھ سے اس آدمی نے یہ حدیث بیان کی جس سے بڑے محدث پر سورج طلوع نہیں ہوا۔“

ابن رومی کہنے لگے:

اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں نے علی بن مدینی کو یہ کہتے سنا ہے:

ما رأیت فی الناس مثله، وما نعلم أحداً من لدن آدم کتب من

الحدیث ما کتب یحییٰ بن معین.

لوگوں میں اس جیسا آدمی میں نے نہیں دیکھا اور ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نے اتنی احادیث کی کتابت کی ہو جتنی کتابت یحییٰ بن معین نے کی ہے۔

محمد بن نصر مروزی کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا:

میں نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث کی کتابت کی ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ ایک حدیث کو بار بار بھی لکھتے تھے،

خود فرماتے ہیں:

لو لم نكتب الحديث خمسين مرة ما عرفناه.

جب تک ہم حدیث کو پچاس بار نہیں لکھ لیتے مکمل معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

كل حديث لا يعرفه يحيى بن معين فليس بحديث، يحيى بن

معين رجل خلقه الله لهذا الشأن، يظهر كذب الكذابين.

جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہیں جانتے وہ حدیث نہیں ہے۔ یحییٰ بن معین کو

اللہ پاک نے اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ جھوٹوں کے جھوٹ کی

نشاندہی کرتے ہیں۔

ابوحاتم رازی کہتے ہیں:

إذا رأيت البغدادي يحب أحمد بن حنبل فاعلم أنه صاحب

سنة، وإذا رأيت يبغض يحيى بن معين فاعلم أنه كذاب

اگر تم کسی بغدادی کو دیکھو کہ امام احمد بن حنبل سے محبت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ تابع

سنت ہے۔ اور اگر وہ یحییٰ بن معین سے نفرت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ جھوٹا ہے۔

یحییٰ بن معین تحصیل علم اور اس کی نشر و اشاعت میں عظیم منہج کے بانی تھے،

تحصیل و ادائے حدیث کے بارے میں آپ کا جملہ محدثین اور علماء کے ہاں ایک دستور

کی حیثیت رکھتا ہے:

إذا كتبت فقمش وإذا حدثت ففتش

”جب تم حدیث لکھو تو جو کچھ سنو اسے لکھ کر جمع کر لو اور جب حدیث بیان کرو تو خوب تحقیق کر لو۔“

حافظ الحدیث صالح بن احمد، محمد بن عبداللہ کے والد کے حوالے سے کہتے ہیں:

یحییٰ بن معین نے ۱۱۴ ہجرت اور چار بڑے بڑے گھڑے کتابوں سے بھرے ہوئے وراثت میں چھوڑے۔

یحییٰ بن معین حج کے لیے جب تشریف لے جاتے تو مدینے کے راستے سے مکہ جاتے، اور جب مکہ سے پلٹتے تو مدینے کے راستے سے لوٹتے۔ ۲۳۳ھ میں جب حج کیا تو ذوالقعدہ کے مہینے میں ایام حج سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔ ادھر بیمار پڑ گئے اور تقریباً ۲۳ ذوالقعدہ کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی آمد اور پھر وفات کے متعلق لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بنو ہاشم نے وہ تخت نکالا جس پر حضور ﷺ کو غسل مبارک دیا گیا تھا اور یحییٰ بن معین کو بھی اسی تخت پر غسل دیا گیا۔ نماز جنازہ کے بعد جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ لوگ کہتے تھے:

یہی وہ شخص تھا جو حضور ﷺ کی ذات اقدس سے جھوٹ کا دفاع کیا کرتا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱۱/۱۷، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۴۲۹)

دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آب دار ایسا بھی ہے؟

عمدہ نکات

ابھی ہم نے یحییٰ بن معین کا اپنے استاد محمد بن فضل کے ساتھ تحصیل حدیث کے حوالے سے واقعہ ذکر کیا۔ اس واقعے میں بڑے عمدہ نکات ہیں۔ یحییٰ بن معین نے جب پہلی ہی مجلس میں محمد بن فضل سے مشہور ہیں۔ سے کہا کہ مجھے یہ حدیث لکھو ایسے تو شیخ نے ابھی حدیث کی سند کی ابتداء ہی کی کہ یحییٰ کہنے لگے: اگر کتاب سے ہو جائے تو.....

یحییٰ بن معین کا یہ مطالبہ مزید تسلی حاصل کرنے کے لیے تھا، کیونکہ محمد بن فضل سدوسی بصری حافظ الحدیث اور ثقہ راویوں میں سے ہیں، لیکن یحییٰ بن معین مزید وثوق حاصل کرنا چاہتے تھے۔

پانچویں صدی ہجری میں مدارس کے قیام سے قبل محدثین کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ اپنے طلبہ کو مسجد میں درس حدیث دیتے تھے۔ اور اگر مسجد میں گنجائش نہ ہوتی تو کسی کھلی جگہ میں اہتمام کرتے اور اگر طلبہ کی تعداد کم ہوتی تو اپنے گھر کے دروازے پر ہی مجلس لگا لیتے اور محمد بن فضل نے یحییٰ بن معین کو یہ حدیث اپنے گھر کے دروازے پر ہی سنائی۔

چنانچہ جب محمد بن فضل گھر جانے کے لیے اٹھے تاکہ کتاب لاسکیں اور اس سے دیکھ کر انہیں حدیث سنائیں تو یحییٰ کو اس بات کے اندیشے نے آیا کہ کہیں محمد بن فضل گھر جائیں اور کتاب لائیں اور اس مختصر وقفے میں انہیں کوئی مانع لاحق ہو جائے اور یحییٰ اس حدیث کا سماع نہ کر سکیں۔ چنانچہ ابھی محمد بن فضل کتاب لانے کے لیے اٹھے ہی تھے کہ یحییٰ نے انہیں کپڑوں سے پکڑ لیا اور حدیث بیان کرنے سے پہلے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ جہاں انہیں سماع حدیث کی شدید خواہش تھی وہیں اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ کہیں وہ گھر جائیں اور انہیں کوئی عارض لاحق ہو جائے اور سماع حدیث ممکن نہ رہے۔

یحییٰ نے شیخ سے کہا: مجھے ابھی زبانی لکھوا دیجیے۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے۔ کیونکہ زندگی کے دورے کسی وقت بھی ٹوٹ سکتے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ میرے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں اور میں آپ سے ملاقات نہ کر سکوں۔ چنانچہ شیخ محمد بن فضل نے یحییٰ بن معین کو پہلے زبانی حدیث لکھوائی، پھر گھر گئے اور کتاب لاکر انہیں دوبارہ حدیث سنائی۔

اس واقعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن معین وقت کو قیمتی بنانے کے کس قدر حریص تھے، تحصیل علم کے کس قدر محافظ تھے اور علمی وثوق کو حاصل کرنے میں کس قدر پختہ تھے، اور اتنا ہوشیار نہ ہونے میں کس قدر چابک دست تھے، علم کو ضبط کرنے میں وہ

مہلت اور امیدیں وابستہ کرنے سے کس قدر دور تھے اور انہیں زندگی کے ایام کے ختم ہو جانے کا کس قدر اندیشہ تھا! بقول غالب۔

رو میں ہے رخس عمر، کہاں دیکھئے تھے
 نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں
 اس چھوٹے سے واقعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ بن معین وقت کے
 کس قدر محافظ تھے! اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کیسے انہوں نے دس لاکھ
 احادیث لکھ لیں۔ اور مختلف شہروں میں گھوم کر شیوخ سے سماع کرتے رہے اور جو کچھ سنا
 اور حاصل کیا اسے ہزاروں طلبہ اور محدثین تک پہنچایا۔
 اس توصیف میں یحییٰ بن معین یکتا نہیں بلکہ امام علی بن مدینی، امام احمد بن
 حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور دیگر بھی اسی لڑی
 کے موتی ہیں۔

علم کے تین شیدائی

ابوالعباس مبرد کہتے ہیں:

میں نے تین اشخاص سے بڑھ کر علم کے حریص نہیں دیکھے:

① جاحظ: عمرو بن بحر، اہل ادب کا امام جو ۱۶۳ھ میں پیدا ہوا اور ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

② فتح بن خاقان: ادیب شاعر، انتہائی ذہین اور شہزادہ تھا۔ عباسی خلیفہ متوکل نے

امام نووی فرماتے ہیں:

طالب علم کے آداب میں سے ہے کہ وہ بلند ہمت ہو، جہاں بہت کچھ ملنے کی امید ہو وہاں کم
 پر اکتفاء نہ کرے، ٹال مٹول سے کام نہ لے، تحصیل فائدہ میں تاخیر نہ کرے اگرچہ ابھی حصول
 کم ہو یا بعد میں حصول ممکن ہو، کیونکہ تاخیر کے بہت سے نقصانات ہیں نیز دوسرے وقت میں

اسے دوسری چیز بھی حاصل کرنا ہے۔ (المجموع، باب آداب المتعلم: ۶۸/۱)

اسے اپنا وزیر اور بھائی بنا لیا تھا۔ اس کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔
۲۳۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

(۳) اسماعیل بن اسحاق: امام فقیہ مالکی بغدادی، ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

جاہل کے ہاتھ جب کوئی کتاب لگتی خواہ کسی بھی قسم کی ہو تو ابتداء تا انتہاء اسے پڑھ کر ہی چھوڑتا۔ کتابوں کا اس قدر شوقین تھا کہ کتب فروشوں کی دوکان کرائے پر لے کر مطالعہ کرتا رہتا تھا۔

فتح بن خاقان موزے یا آستین میں کتاب لیے رکھتا تھا، جیسے ہی نماز یا قضائے حاجت کے لیے متوکل کے سامنے سے اٹھتا، کتاب نکالتا اور چلتے چلتے مطالعہ کرتا جاتا۔ یہاں تک کہ مذکورہ مقام تک جا پہنچتا۔ جب واپس پلٹتا تو مجلس تک پہنچنے تک ایسا ہی کرتا ہوا لوٹتا۔ جب متوکل کسی کام سے نشست گاہ سے اٹھتا تو یہ موزے یا آستین سے کتاب نکال لیتا اور متوکل کے واپس آنے تک وہیں بیٹھا مطالعہ کرتا رہتا۔

اسماعیل بن اسحاق قاضی کے پاس میں جب بھی گیا ہوں تو اسے ہاتھ میں کتاب لیے مصروف مطالعہ ہی پایا ہے، یا تو کتابیں الٹ پلٹ کر رہا ہوتا یا انہیں جھاڑ رہا ہوتا۔

(معجم الأدباء لیاقوت الحموی: ۱۲/۷۵، بحوالہ تقييد العلم للخطيب: ص

(۱۳۹

کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ!

مالکی فقیہ، محدث، امام محمد بن سحنون قیروانی۔ جو ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ کے بارے میں مالکی فرماتے ہیں کہ ام مدام نامی ان کی ایک مملو کہ باندی تھی۔ ایک دن وہ ان کے پاس تھی، رات گئے تک آپ کسی کتاب کی تالیف میں مشغول رہے، کھانے کا وقت ہو گیا۔ باندی نے اجازت طلب کی تو کہنے لگے:

”ابھی میں مشغول ہوں۔“

جب انتظار کی ساعتوں نے طول پکڑا تو باندی نے انہیں سارا کھانا لقمے لقمے کر کے کھلا دیا اور آپ اپنی دھن میں صبح کی اذان تک مشغول رہے، صبح ہوئی تو کہنے لگے:

اوہو! ام مدام ہم تم سے غافل رہے، کھانا لاؤ!
باندی نے کہا: بخدا! وہ تو میں نے آپ کو کھلا دیا۔

کہنے لگے: مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا! (ترتیب المدارك للقاضی عیاض: ۲۱۷/۴)
کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

مشروط دعوت

نحو، لغت، ادب، حدیث اور علوم قرآن کے امام احمد بن یحییٰ الشیبانی کوئی بغدادی۔ جو ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ جو کہ ”ثعلب“ کے نام سے مشہور ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کتاب کا مطالعہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اگر انہیں کوئی دعوت پر بھی بلاتا تو اس شرط پہ دعوت قبول کرتے کہ وہاں تکیہ لگایا جائے جس پر کتاب رکھ کر وہ مطالعہ کر سکیں۔

(الحث علی طلب العلم والاجتہاد فی جمعه لأبى هلال العسكري: ص ۷۷)

مطالعہ کا انہماک

ان کی وفات کا بھی عجیب واقعہ ہے۔ جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد مسجد سے نکلے، جبکہ قوت سماعت میں خلل کی وجہ سے اونچا سنتے تھے، ہاتھ میں کتاب لیے راستے میں مطالعہ کرتے جا رہے تھے کہ ایک گھوڑے سے جا ٹکرائے اور ایک گڑھے میں جا گرے۔ جب باہر نکالا گیا تو یادداشت جاتی رہی۔ اسی حالت میں گھر لایا گیا تو درود سر سے راہ رہے تھے۔ اگلے دن انتقال فرما گئے۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان: ۱۰۴/۱)

تیس ہزار صفحات کی تفسیر قرآن

شیخ المفسرین والمحدثین والمؤرخین امام ابن جریر طبری بہت بڑے مجتہد اور امام تھے۔ آپ اپنے وقت کو تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کے ذریعے کارگر اور مفید بنانے میں بے نظیر تھے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد حیرت انگیز ہے۔

علامہ یاقوت حموی نے معجم الادباء میں ۵۶ صفحات میں آپ کے حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ جبکہ خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ میں جو کچھ آپ کے بارے میں ذکر کیا ہے اس میں سے کچھ اقتباس پیش خدمت ہے:

علی بن عبید اللہ بغوی سمسعی، قاضی ابو عمر عبید اللہ بن احمد السمسار اور ابو القاسم بن عقیل وراق سے نقل کرتے ہیں کہ ابو جعفر طبری نے اپنے شاگردوں سے پوچھا:

کیا تم تفسیر قرآن کے لیے تیار ہو؟

وہ پوچھنے لگے: حضرت! وہ کتنی ہوگی؟

فرمانے لگے: ۳۰ ہزار اوراق۔

وہ کہنے لگے: حضرت! اس کی تکمیل سے قبل ہی عمریں فنا ہو جائیں گی!

تو شیخ نے اسے مختصر کر کے ۳ ہزار اوراق میں کر دیا اور سات سال میں لکھوائی۔

یعنی ۲۸۳ھ سے لے کر ۲۹۰ھ تک۔

تیس ہزار صفحات کی تاریخ

پھر ان سے پوچھا: کیا تم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تاریخ عالم

کے لیے تیار ہو؟

شاگردوں نے پوچھا: حضرت! وہ کتنی ہوگی؟

تو جتنا تفسیر کے بارے میں فرمایا تھا ویسا ہی فرمایا تو شاگردوں نے پھر وہی

گزارش کی تو فرمانے لگے: انا للہ! ہمتیں پست ہو گئیں۔ پھر تفسیر کی طرح اسے بھی مختصر

کر دیا۔

بروز بدھ ۲۷ ربیع الثانی ۳۰۳ھ میں اس کی تصنیف اور نظر ثانی سے فارغ ہوئے جبکہ اسے ۳۰۲ھ کے آخری ایام میں مکمل کر لیا تھا۔

یومیہ ۴۰ اوراق کی تالیف

خطیب رقم طراز ہیں:

سمسمی کو میں نے یہ بیان کرتے سنا کہ ابن جریر ۴۰ سال تک روزانہ ۴۰ صفحات لکھتے رہے۔ ابن جریر کے شاگرد ابو محمد عبداللہ بن احمد بن جعفر فرغانی اپنی کتاب ”الصلة“ میں جو کہ تاریخ ابن جریر کے ساتھ ملحق ہے، میں رقم طراز ہیں:

ابن جریر کے کچھ شاگردوں نے ان کے ایام زندگی، بلوغت سے لے کر ۸۶ سال کی عمر میں وفات تک کو جمع کیا، پھر انہیں ان کی تصانیف کے صفحات پر تقسیم کیا تو فی دن ۱۴ صفحات بنے۔ بے شک یہ بات خالق کی خصوصی مہربانی کے بغیر مخلوق کے کسی فرد کے بس میں نہیں۔

تین لاکھ ۵۸ ہزار صفحات

ابن جریر کی پیدائش ۲۲۲ھ میں ہوئی اور ۳۱۰ھ میں وفات پائی، یوں ۸۶ سال عمر پائی۔ بلوغت سے قبل کی عمر کا اندازہ چودہ سال سے کر کے اسے کل عمر میں سے نکال دیں تو ابن جریر کی عمر ۷۸ سال رہ جائے گی، جس میں ہر روز وہ ۱۴ صفحات لکھتے رہے۔ جب ان کا حساب کریں تو ابن جریر کے تصنیف کردہ کل صفحات کی تعداد ۳ لاکھ ۵۸ ہزار اوراق بنتی ہے۔

”تاریخ“ اور ”تفسیر“ میں سے ہر ایک کے تقریباً ۳ ہزار صفحات کا اندازہ کریں تو کل مجموعہ ۷ یا ۸ ہزار صفحات کا بنتا ہے۔ جبکہ تاریخ ۱۱ بڑے اجزاء میں اور تفسیر ۳۰ بڑے اجزاء میں چھپی ہے۔ جن میں سے ہر جزء تقریباً ایک جلد ہے۔

اب باقی تصنیف شدہ اوراق کا حساب لگائیے تو وہ ۳ لاکھ ۵۱ ہزار اوراق ہیں، یوں امام کی تالیفات کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ اپنے علوم کے اعتبار سے ایک وسیع فنون

کی حامل اکیڈمی کی مانند ہیں اور تالیفات کی کثرت کے اعتبار سے ایک پورے اشاعتی ادارے کی مانند ہیں۔ یہ فرد واحد، تنہا اپنے قلم سے اوراق پر لکھ کر لوگوں کے سامنے اپنے افکار و علوم کو صاف شفاف شہد اور لذیذ مکھن کی طرح پیش کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے وقت کو کام میں نہ لاتے اور اس وقت سے فائدہ اٹھانا اور اسے تصنیفی میدان میں خرچ کرنا نہ جانتے تو یہ سب کچھ معرض وجود میں نہ آتا۔

ابن جریر کی تنظیم اوقات

ابن جریر کے شاگرد قاضی ابوبکر بن کامل احمد بن کامل الشجری، ابن جریر کے نظام الاوقات کو یوں بیان کرتے ہیں:

جب کھانا کھا چکتے تو بغیر بنے ہوئے سن کے ریشے سے بنے ہوئے سخت دھاگے کے کپڑے پہن کر سو جاتے۔ گرمی میں اسے اس لیے پہنتے تاکہ جسم کو ٹھنڈک پہنچتی رہے۔ قمیض کے آستین چھوٹے ہوتے اور اسے صندل اور عرق گلاب میں رنگا ہوتا۔

پھر بیدار ہو کر گھر ہی میں ظہر کی نماز پڑھتے اور عصر تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ پھر گھر سے باہر نکلتے اور عصر کی نماز پڑھتے۔ مغرب تک تعلیم و تعلم کے لیے مجلس لگاتے۔ پھر عشاء تک افتاء اور تدریس میں مشغول رہتے پھر گھر تشریف لے آتے۔ آپ نے دن اور رات کو نفس، دین اور مخلوق کے مصالح پر توفیق خداوندی کے موافق تقسیم کر رکھا تھا۔ (تاریخ بغداد: ۲/۱۶۲، ۱۶۹)

مرتے دم تک اقتباس علم

استاد محمد کرد علی "کنوز الاجدار" میں امام ابن جریر طبری کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہ بات کسی طور ثابت نہیں کہ امام نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی افادے اور استفادے کے بغیر بے کار گزارا ہو۔

معانی بن زکریا کسی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ وفات سے کچھ دیر پہلے ابو جعفر طبری کے پاس تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ جعفر بن محمد کے حوالے سے کسی دعاء کا تذکرہ ان کے سامنے ہوا تو آپ نے قلم دوات منگوا کر اسے لکھا۔ کسی نے کہا:

اس حالت میں بھی!

فرمایا:

ينبغي للإنسان أن لا يدع اقتباس العلم حتى الممات.
انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مرتے دم تک اقتباس علم کو ترک کرے۔

(کنوز الاجداد: ص ۱۲۳)

اللہ ان پر رحم کرے اور علم دین، اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے انہیں بہترین جزاء عطا فرمائے۔

ہوتا ہے مگر محنت پرواز سے روشن!

علامہ ابن جریر طبری کی تالیفات پر ہم نے سرسری سی نظر ڈالی ہے، نہ تو انہیں شمار کیا ہے نہ ہی ان کے نام اور موضوعات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ دمک رہی ہیں۔ اولاد سے زیادہ قابل ذکر یہی سرمایہ ہے۔ اولاد دس، بیس، تیس افراد کی بھی ہو پھر بھی کچھ عرصے کے بعد فناء کے صفحات میں اس کا تذکرہ ڈوب جاتا ہے۔ اور غفلت کے دبیز پردے اس پر چھا جاتے ہیں لیکن ابد الابد تک یہ تالیفات سدا رہتی ہیں۔ ابن جریر ہی کو دیکھ لیجیے، ان کی وفات کو تقریباً ۱۱ سو سال گزر چکے، ان شاء اللہ ان کی یہ تالیفات تاقیام ارض و سما ہوتی ہیں۔ امام ابن جوزی نے درست کہا:

كتاب العالم ولده المخلد

”عالم کی کتاب اس کی ابدی اولاد ہے۔“

دیوانہ علم

امام محمد بن احمد بن منصور سمرقندی بغدادی جو کہ ”ابوبکر بن الخياط نحوي“ کے نام

سے مشہور ہیں۔ جن کا انتقال ۸۲۰ھ میں ہوا۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ ہر وقت مطالعہ کرتے رہتے تھے، حتیٰ کہ راستے میں بھی مصروف مطالعہ ہوتے۔ کئی بار وہ گڑھے میں جا گرتے اور کبھی کسی جانور سے ٹکرا جاتے۔

(البحث علی طلب العلم والاجتہاد فی جمعہ لابی ہلال العسکری: ص ۷۷)

خاموش ملاقاتیں

ابوالفضل محمد بن احمد مروزی بلخی حنفی جو کہ ”حاکم شہید“ کے لقب سے مشہور ہیں، آپ قاضی اور وزیر تھے۔ ۳۳۲ھ میں آپ شہید کیے گئے۔ مرو کے عالم اور احناف کے مقتدا تھے۔

آپ کے صاحبزادے ابو عبد اللہ بن حاکم شہید کہتے ہیں:

میں نے حاکم شہید کو بارہا پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے دیکھا ہے۔ سفر ہو یا حضر آپ تہجد کی نماز نہیں ترک کرتے تھے۔ کتابوں کی ٹوکری اور قلم دوات آپ کے سامنے ہوتے اور آپ تصنیف میں مشغول رہتے۔ آپ وزیر بھی تھے، چنانچہ بہت مجبوری ہوتی تو ملاقاتی کو اجازت دے دیتے اور خود تصنیف میں مشغول رہتے۔ ملاقاتی بیٹھ بیٹھ کر چلا جاتا۔ ابو العباس بن حمویہ نے شکوہ کیا:

”ہم ان کے پاس جاتے ہیں تو یہ ہم سے بات ہی نہیں کرتے، قلم ہاتھ میں لیے رکھتے ہیں اور ہمیں ایک کونے میں بٹھا دیتے ہیں۔“

آپ واپس چلے جائیں!

مستدرک کے مؤلف حاکم ابو عبد اللہ کہتے ہیں:

حاکم ابو الفضل کی املائے حدیث کی مجلس میں، میں ایک جمعہ کی شام شریک تھا۔ امیر ابو علی بن ابی بکر بن مظفر آہنچے۔ حاکم اپنی ہی جگہ پر کھڑے ہوئے اور چبوترے کے دروازے سے ہی یہ کہتے ہوئے انہیں بھیج دیا:

امیر صاحب! آپ واپس تشریف لے جائیں۔ آج آپ کا (سرکاری) دن نہیں۔ (الانساب للسمعانی: ۷/۲۲۵)

بھاری بھرم کتابوں کا مصنف

محدث ابن شاہین جو ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۵ھ میں ۸۸ کی سال کی عمر میں فوت ہوئے، حافظ الحدیث اور امام وقت تھے۔ مخلوق خدا نے آپ سے بہت فیض پایا۔ عراق کے اس محدث کا نام عمر بن احمد بن عثمان بغدادی ہے جو کہ ابن شاہین کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ کے شاگرد ابوالحسین بن النہدی باللہ کہتے ہیں کہ ابن شاہین نے ہمیں بتایا: میں نے ۳۳۰ کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک ”التفسیر الکبیر“ ہے جو ۱۰۰۰ اجزاء پر مشتمل ہے۔ جبکہ ”المسند“ ۱۳۰۰ اجزاء پر اور ”التاریخ“ ۱۵۰ اجزاء پر اور ”الزہد“ ۱۰۰ اجزاء پر مشتمل ہے۔ (قدماء کے ہاں جزء سے مراد ہمارے زمانے کے درمیانی درجے کے ۳۰ صفحے مراد ہوتے ہیں)

۷۰۰ درہم کی روشنائی

قاضی محمد بن عمر الداودی کہتے ہیں کہ میں نے ابن شاہین کو کہتے سنا: میں نے آج تک جتنی روشنائی خریدی ہے، میں نے اس کا حساب کیا تو وہ ۷۰۰ درہم کی بنی۔

ابن ابی الفوارس کہتے ہیں:

صنف ابن شاہین مالہم یصنفہ أحد.
ابن شاہین جتنی تصنیفات کسی نے نہیں کیں۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۳/۹۸۷)

سراپا مذاکرہ

عربی زبان کے بعض ائمہ کو علمی مذاکرے کا اس قدر شغف ہوتا تھا کہ جس عالم کو بھی دیکھتے اس سے علمی مذاکرہ شروع کر دیتے، یوں ان کا نام ہی ”مذاکرہ“ پڑ گیا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

منذر بن عبدالرحمن بن معاویہ بن محمد بن عبداللہ بن منذر بن عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک اندلسی مروانی کا لقب ”مذاکرہ“ پڑ گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ علم نحو کے انتہائی شیدائی تھے، علم لغت اور نحو کے امام اور مستذا تھے۔ جس دوست سے بھی ملاقات ہوتی تو پوچھتے: عربی کے کسی میدان میں مذاکرہ کرو گے؟ یوں آپ کا لقب ہی ”مذاکرہ“ پڑ گیا۔ ابن حزم کے بقول ۳۹۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(نزهة الالباب فی الألقاب: مخطوطہ)

چلتا پھرتا علم کا خزانہ

محدث، مؤرخ، صوفی حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی۔ جو ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۳۰ھ میں وفات پائی۔ کے بارے میں احمد بن مردویہ فرماتے ہیں: ابو نعیم کے پاس لوگ دور دراز سے تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ کرۂ ارض پر ان سے بڑا حافظ الحدیث اور مستند عالم کوئی نہ تھا۔ دنیا بھر کے حفاظ آپ کے پاس تشریف فرما ہوتے۔ ایک دن میں صرف ایک ہی کی باری آتی۔ وہ جو چاہتا ظہر تک آپ سے پڑھتا رہتا۔ جب آپ گھر جا رہے ہوتے تو بسا اوقات ایک جزء کی مقدار راستے میں بھی آپ سے پڑھتے۔ آپ پھر بھی نہیں اکتاتے تھے۔ اس درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ آپ کی کوئی غذا نہ تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱۰۹۳/۳)

مدتوں رو یا کریں گے جام و پیمانہ مجھے!

فلکیات اور علم ریاضی کے یکتا امام، مؤرخ، ماہر ادیب، مختلف علوم و فنون میں یدِ طولیٰ رکھنے والے ابو الریحان محمد بن احمد خوارزمی البیرونی۔ جو ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے

ہمارے شیخ ابوالفرج اسفراہینی نے مجھے ان کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک دن ان کے ہاں قیام کر کے واپس پلٹے تو کہنے لگے: میں نے راستے میں ایک جزء کا مطالعہ کیا ہے۔ ابوالفرج زید بیان کرتے ہیں:

مجھے مؤمل بن حسن نے بتایا کہ اس نے دیکھا کہ امام سلیم کا قلم گھس چکا ہے۔ اسے آپ جیسے جیسے تراشتے جاتے ساتھ ساتھ ہونٹ ہلاتے رہتے۔ یعنی قلم تراشنے کے دوران پڑھتے بھی جاتے تھے تاکہ کوئی وقت ضائع نہ ہو۔

(تبيين كذب المفتري للحافظ ابن عساكر: ص ۲۶۳)

یعنی جب ہاتھ مصروف ہوتے تو زبان کو ذکر الہی سے ترک رکھتے تاکہ کوئی وقت فارغ نہ گزرے۔ کوئی عمل و اطاعت ہوتی رہی۔ سبحان اللہ! کس قدر قدر شناس تھے!

چلتے پھرتے مطالعہ

خطیب بغدادی بغداد کے بڑے مؤرخ اور محدث تھے۔ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ حافظ ذہبی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: خطیب چلتے پھرتے ہاتھ میں کتاب لیے مطالعہ کرتے جاتے تھے۔ حفاظت وقت کا تقاضا ہے کہ انسان چلتے پھرتے بھی وقت کو فراغت کی نذر نہ کرے بلکہ اس دوران بھی اس سے مستفید ہوتا رہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۴۱)

میں عادتاً سوتا ہوں نہ کھاتا ہوں

ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی، نیشاپوری، شافعی، بلند پایہ فقیہ، اصولی، متکلم، مناظر اور امام غزالی کے استاد تھے۔ ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۷۸ھ میں انتقال فرمایا۔

عبدالغافر فارسی "سیاق نیسابور" میں لکھتے ہیں: امام الحرمین، فخر الاسلام، امام الائمہ، ماہر امور شرعیہ، آپ کی امامت پر اہل

مشرق اور مغرب متفق ہیں، آپ جیسا آنکھوں نے نہ دیکھا اور نہ دیکھ سکیں گی.....

ایک مرتبہ دوران گفتگو فرمانے لگے: *۷. Imp*

(میں عادتاً سوتا ہوں نہ کھاتا ہوں، دن یا رات کے کسی پہر جب نیند کا غلبہ ہو جائے تو سو جاتا ہوں اور جس وقت بھی بھوک کی شدت ہو جائے تو کھا لیتا ہوں، آپ کی تمام تر لذت اور تفریح کا سامان علمی مذاکرہ تھا۔ جس قسم کا بھی علمی فائدہ ہوتا اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔)

۵۰ برس کی عمر میں شوق طالب علمی

آگے مزید لکھتے ہیں:

شیخ ابوالحسن علی بن فضال بن علی الجاشعی القیروانی نحوی ۳۶۹ھ میں ہمارے ہاں آئے۔ امام فخر الاسلام نے پرتپاک استقبال و اکرام کیا اور ان سے علم نحو کا کسب فیض کرنے لگے حالانکہ آپ اپنے وقت کے امام تھے اور اس وقت آپ کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ آپ روزانہ انہیں اپنے گھر لے جاتے اور ان سے ان کی کتاب ”اکسیر الذهب فی صناعة الادب“ پڑھتے۔

شیخ ابوالحسن کہا کرتے تھے:

مارأیت عاشقاً للعلم مثل هذا الإمام، فإنه يطلب العلم للعلم.
اس امام جیسا عاشق علم میں نے نہیں دیکھا۔ یہ شخص واقعاً صرف علم کی خاطر علم سیکھتا ہے۔

اور آپ بالکل ایسے ہی تھے۔

(تبیین کذب المفتری للحافظ ابن عساکر: ص ۲۷۸، ۲۸۳، طبقات الشافیه

الکبری للناج السبکی: ۱۷۴/۵، ۱۷۹)

علامہ محمد سعیدی بن برکات نحوی بصری مصری۔ جو کہ ۴۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور

۵۲۰ھ میں ۱۰۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ کے بارے میں علامہ قفطی لکھتے ہیں:

لم يصنف في الدنيا أكبر من هذا الكتاب، حدثني من رأى منه
المجلد الفلاني بعد الأربع مئة.

دنیا میں اس سے بڑی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ
اس نے ۱۰۴ نمبر جلد دیکھی۔

ابن رجب کسی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

هو ثمانی مئة مجلدة.

اس کی آٹھ سو جلدیں ہیں۔

(ذیل طبقات الحنابلة للحافظ ابن رجب: ۱/۱۹۲-۱۶۲، المنتظم لابن
الجوزی: ۹/۹۲، ۲۱۲-۲۱۵)

بہترین مصروفیت..... طلب علم

”الفنون“ کا جو حصہ مطبوع ہے اس کے پہلے حصے کے دیباچے میں آپ خود
لکھتے ہیں:

أما بعد فإن خير ما قطع به الوقت، وشغلت به النفس، فتقرب به
إلى الرب جلت عظمته: طلب علمٍ أخرج من ظلمة الجهل إلى
نور الشرع، وذلك الذي شغلت به نفسي، وقطعت به وقتي.
فما أزال أعلق ما أستفيدُهُ من ألفاظ العلماء، ومن بطون
الصحائف، ومن صيد الخواطر التي تنشرها المناظراتُ
والمقابسات في مجالس العلماء، ومجامع الفضلاء، طمعاً في
أن يعلق بي طرف من الفضل، أبعد به عن الجهل، لعلني أصل
إلى بعض ما وصل إليه الرجال قبلي!؟

ولو لم يكن من فائدة عاجلاً إلا تنظيف الوقت عن الاشتغال

اس کا تھوڑا سا حصہ موجود ہے۔ جسے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء کے مابین دارالمشرق، بیروت نے

ڈاکٹر جارج مقدسی کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا۔

Marfat.com

برعونات الطباع، التي تنقطع بها أوقات الرعاع، لكفى، وعلى
الله قصد السبيل، وهو حسبي ونعم الوكيل.

اما بعد! اللدرب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لیے سب سے بہترین
مصروفیت جس میں انسان اپنا نفس مشغول رکھے اور اپنا وقت گزارے، وہ علم
کی طلب ہے..... علم کی طلب انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر شریعت
کی روشنی تک پہنچاتی ہے۔ اسی لیے میں اپنے آپ کو اسی میں مشغول و
مصروف رکھتا ہوں۔

میں ہر وقت علماء کے الفاظ اور کتابوں کے دامن سے استفادہ کرتا رہتا ہوں،
علمی مجالس میں جو مناظرے اور اقتباسات پیش ہوتے رہتے ہیں انہیں افکار
کے شکنجے میں لانے کی تگ و دو کرتا رہتا ہوں۔ کیا بعید کہ اس کے ذریعے کچھ
کمال حاصل ہو جائے، جہالت سے دوری ہو جائے اور میری رسائی وہاں ہو
جائے جہاں مجھ سے پہلے گزرنے والے لوگ پہنچے ہیں!

اگر حفاظت وقت کا دنیاوی اعتبار سے صرف اتنا فائدہ ہو کہ عام آدمی جس اوچھے
پن میں وقت ضائع کرتا ہے اسے اس سے چھٹکارا مل جائے تو یہ بھی بہت ہے!

مجھے وصال کا لطف اٹھانے دو

ابن جوزی فرماتے ہیں:

جب امام ابن عقیل کی نزع کا عالم تھا تو خواتین رونے لگیں، آپ نے فرمایا:
قد وقعت عن الله خمسين سنة فدعوني أتهنأ ببقائه.

میں نے پچاس سال تک اللہ کا نائب بن کر دستخط کیے ہیں۔ یعنی لوگوں کو پیش
آمدہ مسائل میں خدائی احکام جن فتاویٰ میں بیان کیا کرتے تھے ان پہ اللہ کا
نائب بن کر دستخط کیا کرتے تھے۔ اب مجھے اس سے ملاقات کا لطف اٹھانے دو!
اس جلیل القدر امام نے اسباب دنیا میں سے کتابوں اور جسم کے کپڑوں کے

علاوہ کچھ نہ چھوڑا اور وہ بھی کفن اور قرض کی مقدار کے برابر تھے۔

ہیں۔ اگر رات لمبی ہو تو بے فائدہ باتوں میں گزار دیتے ہیں یا غزلیہ باتوں اور قصہ گوئی کی نذر کر دیتے ہیں، اور اگر دن طویل ہو تو سوئے رہتے ہیں۔ صبح و شام بازاروں یا دجلہ کے کنارے (ابن جوزی بغداد میں رہا کرتے تھے) گزار دیتے ہیں۔ ان کی مثال یوں سمجھئے جیسے چلتی کشتی میں باتیں کرتے جا رہے ہوں اور پتہ ہی نہ چلے! بہت کم لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جنہیں وجود کے مقصد کا ادراک تھا، وہ سامان تیار کیے کوچ کرنے کے لیے مستعد تھے۔ جلدی کیجیے! قبل اس کے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے، آگے بڑھیے اور تھام لیجیے!

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سرے سے جواں ہو کر
ضعیفی زور پر آئی، ہوئے بے دست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

لا یعنی لوگوں سے اللہ کی پناہ!

میں بے مقصد اور لا یعنی قسم کے لوگوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں! میں کئی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جن کی عادت ہی میل جول ہے، وہ میرے پیچھے کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور اسی آمد و رفت کو ”خدمت“ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیر تک بیٹھے رہتے ہیں۔ اور بے فائدہ گفتگو میں محو رہتے ہیں جس میں غیبت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ آج کل لوگوں میں یہ چیز عام ہو گئی ہے کہ جس سے لوگ ملنے جاتے ہیں بسا اوقات اس کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ مجلس دیر تک جمی رہے کہ بے چارہ تنہائی سے اکتا گیا ہوتا ہے۔ بالخصوص خوشی اور عیدین کے موقعوں پر جب لوگ ایک دوسرے کے ہاں جاتے ہیں تو صرف سلام اور مبارکباد کہنے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ضیاع وقت کے لیے بہت سا سامان پیدا کر لیتے ہیں۔

وقت بچانے کی ایک صورت

چونکہ وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، اچھے اور نیک کاموں میں اسے خرچ کرنا بہت ضروری ہے۔ اس لیے مجھے لوگوں کا یہ بے فائدہ میل جول بالکل پسند نہیں۔ لیکن اگر میں لوگوں سے بالکل الگ تھلک رہتا ہوں تو یہ صورت مناسب نہیں کیونکہ اس سے انس و محبت کا تعلق یکسر ختم ہو جائے گا اور اگر ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رکھتا ہوں تو وقت کا ضیاع ہے!

تو میں نے صورت یہ نکالی کہ اول تو کوشش کر کے ملاقات کم کرتا ہوں اور اگر کوئی بن نہ پڑے تو گفتگو مختصر کر دیتا ہوں تاکہ خلاصی جلد ہو جائے، نیز ملاقات کے اوقات کے لیے ایسے ہلکے پھلکے کام چھوڑ رکھتا ہوں، جن میں زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت نہیں پڑتی مثلاً قلم کا قلم لگانا، کاغذ کاٹنا وغیرہ، یہ کام میں ان اوقات میں کر لیتا ہوں..... تاکہ یہ اوقات صرف باتوں ہی میں ضائع نہ ہوں۔

وقت کی قدر بڑے نصیب کی بات ہے

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مقصد حیات سے نا آشنا ہیں۔ بعض کو اللہ نے دولت دے رکھی ہے اور وہ بازاروں میں بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر وقت گزارتے ہیں، اور کتنی ہی آفات اور منکرات کے شکار ہو جاتے ہیں۔ کچھ شطرنج کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں، کچھ بادشاہوں کے احوال اور مہنگائی اور قیمتوں میں کمی بیشی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے وقت گزار دیتے ہیں۔ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وقت کی قدر اور زندگی کی اہمیت کا احساس صرف اسی کو نصیب ہوتا ہے، جسے اللہ پاک اپنے کرم سے نواز دیں۔

﴿وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ﴾ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۳۵)

”اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب

وقت کو قیمتی کیسے بنایا جائے؟

وقت کو قیمتی بنانے میں سب سے زیادہ معاون چیز یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے لوگوں سے الگ تھلگ رہا جائے، ملاقاتی سے صرف سلام دعا اور کام کی بات کی جائے، اور کم کھایا جائے کیونکہ جتنا زیادہ کھائیں گے اتنا زیادہ سوئیں گے، اور رات بھر کو ضائع کریں گے۔ ہمارے اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات خوب آشکارا ہو جاتی ہے۔

اسلاف کی بلند ہمتی

اسلاف بڑے بلند ہمت تھے، ان کی عالی ہمتی کا اندازہ ان کی کتابوں سے کر سکتے ہیں جو ان کی زندگیوں کا نچوڑ ہیں۔ اگرچہ ان کی اکثر کتابوں کے آثار مٹ چکے ہیں۔ کیونکہ طلبہ کی ہمتیں کمزور پڑ گئی ہیں اور وہ طویل کتابوں کے طلبگار نہیں رہے، پھر زہے بد نصیبی کہ ان مختصر کتابوں میں سے بھی صرف چند ایک پڑھی جاتی ہیں، یوں کتابوں کے نشانات مٹتے جا رہے ہیں اور مزید ان کی نشر و اشاعت نہیں ہو رہی!

طالب علمی میں کمال کی حد کو پہنچنے والے طالب علم کو چاہیے کہ وہ اسلاف کی کتابوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اور کثرت سے مطالعہ کرے، کیونکہ ان کے علوم اور عالی ہمتی دیکھ کر اس کا دل زندہ اور محنت کرنے کا عزم متحرک ہوگا۔ نیز کتاب کوئی بھی ہو فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔

میں اپنے زمانے کے پست ہمت لوگوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، نہ تو ان میں کوئی ایسا عالی ہمت ہے کہ مبتدی طالب علم اس کی اقتداء کرے اور نہ کوئی ایسا صاحب تقویٰ ہے کہ سالک اس کی اتباع کرے، لہذا اپنے اسلاف کی سیرت کو پڑھیے۔ ان کے حالات اور تصانیف کا مطالعہ کیجیے، کیونکہ ان کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ انہیں دیکھنے کی مانند ہے، شاعر کہتا ہے۔

فاتنی أن اری ال دیار بطرفی
 فلعلی اری ال دیار بسمعی
 ”میں آنکھ سے تو ”دیار محبوب“ کا نظارہ نہیں کر سکتا، لیکن شاید
 کانوں ہی سے دیکھ لوں۔“

بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ

میں اپنا حال عرض کرتا ہوں کہ کتابوں کے مطالعے سے میری طبیعت سیر نہیں
 ہوتی، جب کوئی نئی کتاب ہاتھ لگتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ
 گیا ہو۔

میں نے مدرسہ نظامیہ کے پورے کتب خانے کا مطالعہ کیا، جس میں چھ ہزار
 کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ (بغداد کے مشہور کتب خانے) کتب ابن حنیفہ،
 ابن حزم کے استاد محمد بن فتوح اندلسی بغدادی حمیدی کا کتب خانہ، ہمارے شیخ
 عبدالوہاب انماطی کا کتب خانہ، ابن ناصر اور ابو محمد خشاب کا کتب خانہ، یہ
 سب کتب خانے کتابوں سے لدے پڑے ہیں، ان کے علاوہ جو کتاب بھی
 میری دسترس میں ہوتی میں اس کا مطالعہ کرتا۔

اگر میں کہوں کہ میں نے زمانہ طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا
 ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا۔ حالانکہ میں ابھی بھی تشنگی محسوس کرتا ہوں!
 میں نے ان کتابوں کے مطالعے سے ان اسلاف کے حالات زندگی، بلند
 ہمتی، ان کی حفاظت اوقات، اور عبادات کا مشاہدہ کیا۔ اور ایسے علوم نادرہ کا
 مطالعہ کیا کہ جنہیں ان کتب کو پڑھے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ مجھے اپنے زمانہ کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی اور وقت کے
 طلبہ علم کی کم ہمتی مجھ پر منکشف ہو گئی۔

(صید الخاطر: ۱/۴۶، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲/۳۱۸-۳۱۹، ۳/۶۰۶، الآداب الشرعية:

(۳۸۳/۳)

زندگی کا ہر سانس گنجینہ ایزدی ہے!

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کے لیے ایک نصیحت نامہ ”لفتة الكبدفی نصیحة الولد“ کے نام سے لکھا، وقت کی اہمیت اور عمر عزیز کی قدر و منزلت کے سلسلے میں وہ اس میں لکھتے ہیں:

واعلم یا بنی، أن الأيام تبسط ساعاتٍ، والساعات تبسط أنفاساً، وکل نفس خزانة، فاحذر أن یذهب نفسٌ بغير شیء، فتری فی القيامة خزانةً فارغةً فتندم!

وانظر کل ساعةٍ من ساعاتک بماذا تذهب، فلا تودعها إلا إلى أشرف ما یمکن، ولا تهمل نفسك، وعودها أشرف ما یكون من العمل واحسنه، وابعث إلى صندوق القبر ما یسرك یوم الوصول إليه.

”بیٹے! زندگی کے دن چند گھنٹوں اور گھنٹے چند گھڑیوں سے عبارت ہیں، زندگی کا ہر سانس گنجینہ ایزدی ہے، ایک ایک سانس کی قدر کیجیے کہ کہیں بغیر فائدہ کے نہ گزرے تاکہ کل قیامت میں زندگی کا دفینہ خالی پا کر اشک ندامت نہ بہانے پڑیں، ایک ایک لمحے کا حساب کریں کہ کہاں صرف ہو رہا ہے اور اس کوشش میں رہیں کہ ہر گھڑی کسی مفید کام میں صرف ہو، بے کار زندگی گزارنے سے بچیں اور کام کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ آگے چل کر آپ وہ کچھ پاسکیں جو آپ کے لیے باعث مسرت ہو۔“

یومیہ چار رسالوں کی تصنیف

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

ابن جوزی نے ہر فن میں کوئی نہ کوئی تصنیف کی ہے، ان سے ان کی کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے:

۳۴۰ کتب سے زائد ہیں، ان میں سے کچھ ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہیں اور کچھ رساکن ہیں۔

موفق عبداللطیف فرماتے ہیں:

ابن جوزی اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، روزانہ ۴ رسالے لکھتے اور سالانہ ۵۰ سے ۶۰ جلدیں تحریر فرماتے۔ (ذیل طبقات الحنابلة: ۱/۴۱۲، ۴۱۳)

۲ ہزار جلد کی کتابت

ابن جوزی کے نواسے ابوالمظفر لکھتے ہیں:

میں نے اپنے نانا کو زندگی کے آخری ایام میں منبر پر یہ کہتے سنا:

کتبت بياصبعي هاتين ألفي مجلد.

میں نے اپنی ان دو انگلیوں سے ۲ ہزار جلدیں لکھی ہیں۔

(تذكرة الحفاظ: ۴/۱۳۴۴، ذیل طبقات الحنابلة: ۱/۴۰۱)

ابن الوردي فرماتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ ابن جوزی کے تصنیف شدہ رساکن کو اکٹھا کر کے ان کی عمر کا حساب کر کے ان رساکن پر تقسیم کیا گیا تو ہر دن کے حصے میں ۹ رساکن آئے۔

(تتمة المختصر فی اخبار البشر: ۲/۲۱۸)

قلموں کے برادے سے غسل

علامہ قسمی فرماتے ہیں:

ابن جوزی جن قلموں کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے ان کا برادہ جمع کیا گیا

تو بہت زیادہ ہو گیا، چنانچہ ابن جوزی نے وصیت کی کہ ان کے غسل کا پانی

اس برادے سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن برادہ اتنا زیادہ تھا

کہ پھر بھی بچ گیا۔ (الکنی واللقاب: ۱/۲۴۲)

پروفیسر عبدالحمید علوجی نے ”مؤلفات ابن الجوزیؒ“ کے نام سے ایک

کتاب مرتب کی ہے، جسے عراق کی وزارت ثقافت نے بغداد میں ۱۳۸۵ھ میں چھاپا

ہے۔ اس میں انہوں نے ابن جوزی کی تالیفات و شمار کیا ہے، جن کی تعداد ۵۱۹ کے لگ بھگ ہے۔ ان میں ۱۰ جلدوں سے زائد کی کتابیں بھی ہیں اور چند صفحات کے رسائل بھی، جبکہ بہت سی تصنیفات تذکرے سے رہ گئی ہیں۔

ایک ہزار سے زائد کتابیں

پروفیسر علوجی نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے:
حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "اجوبتہ المصریۃ" میں لکھتے ہیں:

ابوالفرج ابن جوزی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، مختلف فنون میں آپ کی تصانیف ہیں، میں نے جب انہیں شمار کیا تو ایک ہزار سے زائد بنیں اور اس کے بعد میں نے مزید کتب بھی دیکھیں۔

(ذیل طبقات الحنابلہ: ۱/۴۱۵، بحوالہ مقدمہ مؤلفات ابن جوزی: ص ۴)

ہر علم میں تصنیف

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

وما علمت أحداً من العلماء صنف ما صنف هذا الرجل
میں نہیں جانتا کہ علماء میں سے کسی نے اتنی تصانیف کی ہوں۔
پھر موفق عبداللطیف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ابن جوزی اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرتے تھے، دیگر مصروفیات کے باوجود یومیہ ۴ رسائل لکھتے تھے۔ آپ تو ہر علم میں شراکت وارد کھائی دیتے ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۳۴۴)

شیخ عبدالغنی المقدسی کی تنظیم اوقات

"تذکرۃ الحفاظ" میں حافظ عبدالغنی المقدسی کے حالات یوں لکھے ہیں:

تذکرۃ الحفاظ

۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ محدث اسلام، تقی الدین امام ابو محمد عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی الجماعی الدمشقی الصالحی حنبلی، متعدد تصانیف آپ کے قلم سے منصف شہود پر آئیں۔ شیخ ابوطاہر سلف سے روایت کردہ ایک ہزار اجزاء آپ نے لکھے۔ آپ کی لکھی ہوئی کتب کی کثرت بیان سے بالاتر ہے۔ زندگی بھر تصنیف و تالیف، بیان حدیث اور عبادت الہی میں مصروف رہے اور اسی حالت میں واصل بحق ہوئے۔

آپ کے شاگرد ضیاء مقدسی کہتے ہیں:

آپ اپنے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں فرمایا کرتے تھے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن کا درس اور کبھی حدیث کا درس دیتے تھے۔ پھر وضو کرتے اور ظہر سے کچھ دیر پہلے تک فاتحہ اور معوذتین کے ساتھ ۳۰۰ رکعت نماز پڑھتے۔ پھر کچھ دیر سوتے اور پھر ظہر کی نماز پڑھتے۔ اور پھر مغرب تک استماع حدیث یا لکھنے میں مصروف رہتے۔ پھر اگر روزہ ہوتا تو افطار فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھ کر نصف رات یا اس کے کچھ بعد تک کے لیے سو رہتے۔ پھر وضو کر کے نماز میں مصروف ہو جاتے۔ پھر دوبارہ وضو کر کے فجر ہونے تک نماز پڑھتے رہتے۔ بسا اوقات سات مرتبہ یا دس سے بھی زائد مرتبہ وضو فرماتے اور فرمایا کرتے تھے:

”مجھے نماز میں اسی وقت تک لطف آتا رہتا ہے جب تک اعضاء وضو سے تر ہوں۔“

پھر فجر سے پہلے تھوڑا سا سوتے۔

اور یہ آپ کا معمول تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۳۸۶، ۱۳۸۰)

آپ کی تالیف کردہ کتب کی تعداد ۴۰ سے متجاوز ہے۔ ان میں سے ایک ”النفائس الغوالی“ ہے۔ ان کے مفصل حالات زندگی ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب (۲/۵-۳۴) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

علامہ رازی..... محافظ وقت

مفسر قرآن، مناظر اسلام اور اصولی امام محمد بن عمر فخر الدین الرازی جو کہ ۵۴۳ھ میں پیدا ہوئے اور زندگی کی ۶۳ بہاریں دیکھنے کے بعد ۶۰۶ھ میں انتقال فرما گئے، نے تقریباً ۲۰۰ کے لگ بھگ کتابیں وراثت میں امت مسلمہ کو عطا کیں، ان میں سے کچھ کتابیں تو ۱۳۲ اجزاء میں ہیں، جیسے آپ کی مشہور تفسیر ہے اور کچھ چند صفحات کے رسائل ہیں۔ آپ کے حالات زندگی میں مؤرخ وطیب ابن ابی اُصیبہ لکھتے ہیں:

قاضی شمس الدین الحنوی، شیخ فخر الدین کا قول ذکر کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

والله إنني أتأسف في الفوات عن الاشتغال بالعلم في وقت الأكل، فإن الوقت والزمان عزيز.

”بخدا! کھانا کھانے کے دوران علمی مشغولیت سے محرومی پر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ وقت بہت ہی قیمتی چیز ہے۔“ (عیون الانباء فی طبقات الاطباء: ۲/۳۴)

ابن سیکنہ رحمۃ اللہ علیہ کی تنظیم اوقات

امام دوراں، فقیہ، محدث، شیخ الاسلام، فخر عراق شیخ ضیاء الدین ابو احمد عبدالوہاب بن علی ابن سیکنہ بغدادی صوفی شافعی ۵۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۷ھ میں فوت ہوئے۔ سند کے عالی ہونے، علمی پختگی اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے شیخ وقت تھے۔ حسن صورت، وقار، اتباع سنت اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے میں آپ کی کوئی نظیر نہ تھی۔

اللہ نے آپ کو طویل عمر عطا کی، آپ نے اپنی مروی احادیث کئی بار پڑھائیں، دنیا بھر سے طلبہ طلب علم کے لیے آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ حفاظت وقت کے بہت پابند تھے، نپاٹلا کلام کیا کرتے تھے۔ آپ کا ہر لمحہ قرآن پڑھنے، ذکر، تہجد یا درس و تدریس میں گزرتا تھا۔ مجلس میں فضول یا بے مقصد گفتگو اور غیبت سے بہت روکتے تھے۔ گھر سے صرف جمعہ، عید یا جنازہ پڑھنے کے لیے نکلتے۔ دنیا داروں کی غمی

خوشی میں نہ جایا کرتے تھے۔

آپ کے شاگرد ابن نجار کہتے ہیں:

میں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا ہے، ائمہ فتن، علماء اور زہاد کو ملا ہوں، لیکن آپ سے بڑھ کر کامل، عبادت گزار اور خوب صورت و وجیہ نہیں دیکھا۔ تقریباً ۲۰ سال تک صبح و شام میں آپ کی صحبت میں رہا ہوں۔ آپ کی خدمت کرتا رہا اور زانوئے تلمذ طے کرتا رہا۔ میں نے آپ سے تمام قرآنیات کے ساتھ قرآن پڑھا اور لگ بھگ آپ کی تمام مروّاحادیت کا استماع کیا اور مطول کتب آپ سے پڑھیں، غرضیکہ میں نے شیخ سے بہت استفادہ کیا۔

سلام علیکم مسأله سے زیادہ بات نہ کیا کرو

مدرسہ نظامیہ جو کہ اس وقت کا بغداد کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ادارہ تھا، اس کے معلم شیخ یحییٰ بن قاسم فرماتے ہیں:

ابن سیکنہ عالم باعمل شخص تھے۔ وقت بالکل ضائع نہ فرمایا کرتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس جاتے تو مباحثے اور علمی گفتگو کے آپ اس قدر زیادہ حریص تھے کہ فرمایا کرتے تھے:

لا تزیدوا علی (سلام علیکم) مسأله.

سلام علیکم مسأله سے زیادہ بات نہ کیا کرو۔ یعنی سلام کرتے ہی مسئلہ پوچھنے میں لگ جایا کرو۔

(ذیل تاریخ بغداد لابن نجار: ۱/۳۵۲-۳۶۸، سیر اعلام النبلاء للحافظ

الذہبی: ۲۱/۵۰۲، ۵۰۵)

خدا کی قسم! ذرا دیکھئے تو سہی کہ سلام کو بھی مختصر کرنے کا کہہ رہے ہیں: سلام

علیکم!

اور ملاقات کے شروع میں جو روایتی جملے بولے جاتے ہیں ان سے روک رہے ہیں۔ حفاظت وقت کی خاطر سلام کے فوراً بعد علمی مباحثے میں مشغول ہونے کا حکم دیتے ہیں۔

ابن تیمیہ - جد - کا شوق مطالعہ

تاریخ میں کچھ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو وقت سے کچھ اس انداز میں استفادہ کیا کرتے تھے کہ کسی انسان کے ذہن میں خیال بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ ان میں سے ایک مجددین ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن تیمیہ حرانی حنبلی ہیں جو کہ ابن تیمیہ - جد - کے نام سے مشہور ہیں (کیونکہ آپ امام ابن تیمیہ کے دادا ہیں)۔ آپ ۵۹۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور ۶۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے ”ذیل طبقات الحنابلہ“ میں ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے:

آپ امام وقت، فقیہ، مقبری، مفسر، اصولی، نحوی، شیخ الاسلام اور فقیہ دوراں تھے۔ شیخ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شیخ کے بھائی عبدالرحمن بن عبدالحمیم بن تیمیہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ مجددین ابوالبرکات یعنی جد، جب بیت الخلاء میں جاتے تو کہا کرتے تھے:

اقرا فی هذا الكتاب، وارفع صوتک حتی أسمع.
فلاں کتاب پڑھو اور اتنی اونچی آواز سے پڑھو کہ میں سن سکوں۔
ابن رجب کہتے ہیں:

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظت وقت اور علمی حرص آپ میں کتنی زیادہ تھی! (ذیل طبقات الحنابلہ: ۲/۲۳۹، ۲۵۲)

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی کتابت حدیث

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”بستان العارفین“ کے آخر میں یکتائے زمانہ کبار علماء کے کچھ واقعات ”باب فی حکایات مستطرفة“ کے عنوان کے تحت ذکر کیے ہیں، اپنے شیخ سے امام حافظ عبدالعظیم منذری کے حوالے سے ایک بات انہوں نے ذکر کی ہے۔ حافظ منذری ۵۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

میں نے اپنے شیخ ضیاء الدین ابواسحاق ابراہیم بن عیسیٰ مرادی کو ۶ شوال بروز بدھ ۶۵۸ھ دمشق کے مدرسہ بادراسیہ^۱ میں یہ فرماتے سنا:

میں نے شیخ عبدالعظیم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا:

کتبت بیدی تسعین مجلدة، و کتبت سبع مئة جزء.

میں نے اپنے ہاتھ سے ۹۰ جلدیں لکھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ۱۰۰ اجزاء لکھے ہیں۔

یہ سب کتابیں علم حدیث سے متعلقہ وہ تصانیف ہیں جو شیخ کی اپنی تصانیف کے علاوہ ہیں جبکہ آپ نے خود اپنی مصنفات بھی بہت سی قلمبند کیں۔

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی مشغولیت

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

علمی مشغولیت میں اتنی زیادہ جدوجہد کرنے والے کے بارے میں میں نے نہ تو کبھی کسی کے بارے سنا ہے اور نہ کسی کو دیکھا ہے۔ صبح و شام ہر وقت آپ مشغول رہتے۔ قاہرہ میں ۱۲ سال تک مدرسے میں آپ کا پڑوسی رہا ہوں۔ میرا کمرہ آپ کے کمرے کے اوپر تھا۔ رات جس وقت بھی میں اٹھتا تو آپ کے کمرے میں چراغ کی روشنی ٹٹمار ہی ہوتی اور آپ مشغول مطالعہ ہوتے حتیٰ کہ کھانے کے دوران بھی آپ کے ارد گرد کتابیں ہوتیں اور آپ ان میں مشغول ہوتے۔

حافظ منذری مدرسے سے باہر قدم نہ رکھتے تھے

امام نووی نے حافظ منذری کی تحقیق اور علمی جستجو کے حوالے سے جو کچھ لکھا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نووی اپنے استاد سے جو کچھ سنتے اسے تاریخ کے ساتھ ضبط کیا کرتے تھے، اس سے آپ کی احتیاط کے عالم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ہے وہ بیان سے قاصر ہے۔

فرماتے ہیں: آپ مدرسے سے صرف نماز جمعہ کے لیے نکلتے تھے۔ تعزیت ہو یا خوشی کسی حال میں بھی آپ باہر نہ جاتے تھے۔ ہر وقت علمی مشغولیت میں مستغرق رہتے۔ (بستان العارفین: ص ۱۹۱)

حافظ منذری بیٹے کے جنازے پہ

امام تاج الدین سبکی "طبقات الشافعية الكبرى" میں حافظ منذری کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

دارالحدیث الکاملیہ میں آپ درس دیا کرتے تھے۔ اور صرف نماز جمعہ کے لیے باہر نکلتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے فاضل محدث بیٹے رشید الدین ابو بکر محمد کا ۶۴۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ آپ کا یہ بیٹا بہت ذہین اور فاضل تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی اس کی موت کا غم آپ کے درجات میں بلندی کا باعث تھا۔ شیخ نے مدرسے کے اندر ہی بیٹے کا نماز جنازہ پڑھا اور مدرسے کے دروازے تک جنازے کے ساتھ آئے، پھر آنکھیں پر نم ہو گئیں اور فرمایا:

أودعتك يا ولدي الله تعالى!

بیٹے! تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں!

اتنا کہہ کر رخصت ہو گئے اور مدرسے سے باہر نہ نکلے۔

(طبقات الشافعية الكبرى: ۲۶۰/۸)

ابن مالک نخوی کی علمی مشغولیت

زندگی کے ہر لمحہ کی حفاظت کرنے والے جو کہ سکرات موت کے وقت بھی وقت کے محافظ رہے، موت سے کچھ لمحے قبل بھی تحصیل علم کی لگن میں رہے، ایسے کبار علماء میں سے ایک نام امام ابن مالک نخوی کا ہے، جنہوں نے "الفیة ابن مالک"

اور اس جیسی دیگر نحو کی امہات کتب لکھیں۔ محمد بن عبداللہ ابن مالک نحوی ۶۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۷۲ھ میں فوت ہوئے۔ علامہ مقری نے آپ کے حالات زندگی میں لکھا ہے:

آپ بہت زیادہ مطالعہ کیا کرتے تھے، جب تک اصل کتاب سے مراجعت نہ کر لیتے اس وقت تک اپنے حافظے پر اعتماد کرتے ہوئے کچھ نہ لکھتے تھے۔ ثقہ علماء کی یہی عادت مبارک تھی۔ آپ یا تو نماز پڑھتے نظر آتے یا تلاوت کرتے یا تصنیف کرتے یا مطالعہ کرتے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپ دوستوں کے ہمراہ دمشق میں سیر کے لیے نکلے، جب دوستوں کے ہمراہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو تھوڑی دیر کے لیے دوست آپ سے غافل ہو گئے، تو انہیں بسیار تلاش کے بعد جب آپ نہ ملے تو انہوں نے آپ کو خوب تلاش کیا تو دیکھا کہ آپ چند اوراق پر جھکے ہوئے مصروف مطالعہ ہیں۔

بستر مرگ پر تحصیل علم

علم کے ساتھ دل لگی کی ان کی سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن آپ نے چند اشعار یاد کیے، بعض لوگوں نے ان کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔ آپ کے بیٹے نے وہ اشعار آپ کو یاد کرائے۔ آپ پر یہ مثل بجا طور پر صادق آتی ہے:

بقدر ماتت عنی، تنال ماتت منی

”جتنی تکلیف اٹھاؤ گے اتنی ہی تمنا بر آئے گی۔“

اس بلند ہمتی پر اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ دمشق ہی میں ۶۷۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور قاسیون کے دامن میں مدفون ہوئے، آپ کی قبر آج بھی مرجع عوام و خواص ہے۔ (نفع الطیب: ۲۲۲/۲، ۲۲۹)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال تک پہلوزمین سے نہ لگایا۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں امام نووی کے حالات یوں لکھے ہیں:

تابعہ روزگار، قدوہ صالحین، شیخ الاسلام، حافظ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مرئی حزامی حورانی شافعی متعدد تصانیف کے مالک ہیں۔

آپ ۶۳۱ھ میں حوران کے علاقے نسوا میں پیدا ہوئے۔ ۶۴۹ھ میں دمشق تشریف لے آئے، یہاں مدرسہ رواجیہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ کھانا بھی مدرسے کے مطبخ سے کھاتے تھے۔

فرماتے ہیں:

دو سال تک میں نے اپنا پہلوزمین سے نہ لگایا۔

ساڑھے چار ماہ میں آپ نے ”التنبیہ“ یاد کر لی، اور سال کے بقیہ حصے میں اپنے استاد شیخ اسحاق احمد سے ”المہذب“ کا چوتھائی حصہ زبانی یاد کر لیا۔

روزانہ ۱۲ سبق پڑھتے

آپ کے شاگرد شیخ ابوالحسن بن عطار کہتے ہیں کہ شیخ محی الدین نووی نے خود بتایا کہ آپ اپنے اساتذہ سے روزانہ ۱۲ سبق پڑھا کرتے تھے۔

دو سبق علم فقہ کی کتاب ”الوسیط“ کے

ایک سبق علم فقہ کی کتاب ”المہذب“ کا

ایک سبق علم حدیث میں ”الجمع بین الصحیحین“ کا

ایک سبق ”صحیح مسلم“ کا

ایک سبق علم نحو کی کتاب ”اللمع لابن جنی“ کا

ایک سبق علم لغت کی کتاب ”اصلاح المنطق“ کا

ایک سبق صرف کا

ایک سبق اصول فقہ کا
 کبھی "اللمع لأبی اسحاق" پڑھتے
 اور کبھی "المنتخب لفخرالدین رازی" پڑھتے

ایک سبق اسماء الرجال کا

ایک سبق اصول دین کا

اور

ایک سبق نحو کا۔

فرماتے ہیں:

میں سبق پڑھنے کے ساتھ مشکل مقامات کی شرح، عبارت کی وضاحت اور لغوی اعتبار سے بھی وضاحت کو حاشیہ پہ لکھا کرتا تھا۔ اللہ نے میرے وقت میں بہت برکت ڈال دی تھی۔

صرف ایک وقت کا کھانا

شیخ ابوالحسن بن عطار فرماتے ہیں کہ شیخ نووی نے خود بتایا کہ آپ اپنا وقت بالکل ضائع نہ فرمایا کرتے تھے، صبح ہو یا شام ہر وقت علمی امور میں مشغول رہتے حتیٰ کہ راستے میں چلتے ہوئے بھی مطالعہ کرتے یا سبق دہراتے رہتے۔ چھ سال تک آپ کی یہی ترتیب رہی۔ پھر اس کے بعد تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد میں مصروف ہو گئے۔ آپ صبح و شام میں صرف ایک بار عشاء کے بعد کھانا کھاتے تھے اور صرف ایک بار سحری کے وقت پانی پیتے تھے۔ پھل وغیرہ نہ کھاتے تھے اور فرماتے تھے:

مجھے اندیشہ ہے کہ (کہیں پھان کھانے سے) میرا جسم مرطوب ہو جائے اور نیند زیادہ آنے لگے۔

آپ نے شادی نہ کی۔

امام نووی کی نفس کشی

آپ نے علمی مشغولیت، تصنیف و تالیف، علم کے پھیلاؤ، عبادت، اوراد، روزے اور ذکر کے ساتھ ہمیشہ رابطہ استوار رکھا۔ کھانے پینے میں کبھی تعیش کی راہ اختیار نہ کی۔ آپ کا لباس خام کپڑے کا ہوتا، اور عمامہ سختیانی (بکری کی کھال کا) ہوتا اور وہ بھی چھوٹا سا!

(تذکرۃ الحفاظ: ۱۲۷۲/۳، طبقات الشافعیہ لابن قاضی شہبہ: ۱۹۳/۲)

آپ نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔ یوں آپ کی عمر ۴۵ سال بنتی ہے۔ آپ نے جو عظیم کتابیں چھوڑی ہیں انہیں اگر آپ کے ایام حیات پر تقسیم کیا جائے تو یومیہ ۴ رسالے بنتے ہیں۔

ابن نفیس..... طب اور فقہ کے امام

وقت کے محافظ اور ہر لحظہ و ساعت کی قیمت سے آشنا، نابغہ روزگار، اطباء اور علماء میں ایک اہم نام، اپنے وقت کے شیخ الطب علامہ ابن نفیس دمشقی و مصری کا ہے۔ آپ کا پورا نام علامہ حکیم امام علاء الدین ابن نفیس علی بن ابی حزم قرش۔ ماوراء النہر کے علاقے قرس کی طرف نسبت ہے، آپ ۶۱۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور قاہرہ میں ۶۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ علم طب کے یکتا امام تھے۔ استحضار اور استنباط کے ملکہ میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ کی علم طب میں شاندار تصانیف اور تالیفات ہیں۔

طب میں آپ کی ایک کتاب ”الشامل“ ہے، جس کی فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تین سو بڑے بڑے اجزاء میں ہوگی (آپ کے بعض دوستوں کا یوں کہنا ہے)۔ لیکن آپ ۸۰ جلدیں قلم بند کر سکے۔ اسی طرح ”المہذب فی الکحل“ بھی طب میں تصنیف کردہ ہے۔ متعدد جلدوں میں ابن سینا کی ”القانون“ کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ بھی

بہت سی تصانیف ہیں۔ علم منطق کے حوالے سے بھی آپ کی ”مختصر“ اس علم سے آپ کی آشنائی کا پتہ دیتی ہے۔

ابن سینا کی کتاب ”الہدایۃ“ کی شرح لکھی۔ اصول فقہ، فقہ، عربی زبان، علم حدیث، علم بیان اور دیگر علوم میں آپ کی تصانیف ہیں۔ فقہ شافعیہ میں ابو اسحاق شیرازی کی ”التنبیہ“ کے ابتدائی حصے (ابتداء تا باب السہو) کی شرح لکھی، جو کہ ایک عمدہ شرح ہے۔ قاہرہ میں مدرسہ مسروریہ میں فقہ کی تدریس کے فرائض بھی آپ سرانجام دیتے رہے۔

امام برہان الدین ابراہیم رشیدی کہتے ہیں:

علاء بن نفیس جب تصنیف و تالیف کے لیے بیٹھتے تو آپ کے لیے قلم تراش کر رکھے جاتے تھے۔ آپ اپنا منہ دیوار کی طرف کر کے بیٹھتے اور اپنے حافظے کی بنیاد پر تصنیف کرنے میں مشغول ہو جاتے۔ اور آپ کا قلم رواں آب رواں کی طرح بہتا چلا جاتا۔ جب قلم کند ہو جاتا تو اسے پھینک کر دوسرا لے لیتے تاکہ قلم تراشنے میں وقت ضائع نہ ہو۔ آپ جب تصنیف کرتے تھے تو کتب دیکھے بغیر زبانی لکھتے تھے۔

رات بھر علمی گفتگو

قاہرہ کے حلیم اور آپ کے شاگرد سدید میاطی کہتے ہیں:

ڈاکٹر بول غلیونجی کی کتاب ”ابن النفیس طلیعة العهد العلمی فی الطب“ کے صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۸ پر ابن نفیس کی تمام کتب اور ان جگہوں کا تذکرہ ہے جہاں وہ کتب دستیاب ہیں۔ (مطبوعہ وزارت ارشاد و انباء، کویت، مطبع حکومت کویت)۔ ابن نفیس کے دوران خون کے حوالے سے انکشافات پڑھنے کے لیے ڈاکٹر سلمان قطایہ کی کتاب ”الطیب العربی: ابن النفیس“ دیکھئے۔ یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں بیروت میں مؤسسہ عربیہ للدراسات والنشر، بیروت نے ”اعلام الطب العربی“ کے سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر شائع کی۔

آپ کی قاضی جمال الدین بن واصل سے ایک رات ملاقات ہوئی۔ میں قریب ہی سویا تھا۔ عشاء کی نماز سے جب دونوں حضرات فارغ ہوئے تو بحث کرنے لگے۔ ایک علم سے دوسرے علم کی طرف نکلتے چلے گئے۔ شیخ علاء الدین مسلسل مہذبانہ انداز میں بغیر اضطراب کے گفتگو کرتے رہے۔ جبکہ قاضی جمال الدین پریشان ہو جاتے، آپ کی آواز بلند ہو جاتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور رگیں پھول جاتیں۔ صبح ہونے تک گفتگو جاری رہی۔

جب گفتگو ختم ہوئی تو قاضی جمال الدین کہنے لگے:

یا شیخ علاء الدین، أما نحن فعندنا مسائل و نکت و قواعد، أما أنت فعندك خزائن علوم.

حضرت! ہمارے پاس تو چند علمی مسائل، نکات اور قواعد ہیں اور آپ کے پاس تو علوم کے خزانے ہیں!

دورانِ غسل نبض کے موضوع پر مقالہ لکھ ڈالا

کہتے ہیں کہ ایک بار شیخ علاء الدین، زہومہ کے علاقے میں غسل کے لیے حمام میں داخل ہوئے۔ ابھی غسل مکمل نہ ہوا تھا کہ حمام کے اس حصے میں آگے جہاں کپڑے اتارے جاتے ہیں اور قلم کاغذ منگوا لیا اور نبض کے موضوع پر مقالہ لکھنے لگے۔ مقالہ مکمل کرنے کے بعد دوبارہ حمام میں جا کر غسل مکمل کیا۔

آپ صاحب مروت تھے۔ صبح و شام افادہ نفسی میں مصروف رہتے۔ امراء کی ایک بڑی تعداد آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتی تھی۔ رئیس الاطباء مہذب الدین بن ابی حلیقہ، شرف الدین صغیر، اور دیگر اکابر اطباء حاضر مجلس ہوتے اور لوگ آپ کی مجلس میں مرتبے کے مطابق بیٹھتے۔

قاہرہ اور مصر میں آپ سے اور عماد الدین نابلسی سے بہت سے اطباء نے

زانوئے تلمذ طے کیے، آپ نے ایک دارالعلم بنا رکھا تھا، جس کے ایوان تک مرمر کا فرش بچھا ہوا تھا۔

آپ کے بعض اطباء دوستوں کا کہنا ہے کہ شراب کی کچھ مقدار استعمال کرنے کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔ اصل میں آپ کو جو بیماری تھی اس میں اطباء کا خیال یہ تھا کہ شراب سے علاج کیا جائے۔ لیکن آپ نے استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

لا القی اللہ تعالیٰ و فی باطنی شیء من الخمر

”میں خدا سے اس حال میں ملاقات کرنا نہیں چاہتا کہ میرے باطن میں شراب ہو۔“

آپ نے عمر بھر شادی نہ کی۔ آپ نے اپنا دارالعلم، کتب اور سارا مال و اسباب بیمارستان منصورہ (ہسپتال) کے نام وقف کر دیا۔ آپ کی امامت مسلم ہے۔ بہت سے علماء آپ کو ”ابن سینا ثانی“ کہتے ہیں۔

(روضات الجنات للخواجہ انصاری: ۵/۲۹۰-۲۹۳ بحوالہ الوافی بالوفیات

لصلاح الدین صفدی)

سات صدیاں پہلے دوران خون کا انکشاف کیا

یاد رہے کہ آپ ہی نے آج سے سات صدیوں قبل انسانی بدن میں دوران خون کے نظام کا انکشاف کیا تھا۔ طب کی دنیا میں یہ ایک عظیم انکشاف تھا۔ مصنف فرماتے ہیں:

علم طب اور دیگر علوم میں اس قدر مہارت اور یکتائی کے باوجود آپ بہت متواضع تھے۔ اپنے شاگردوں کو جب اجازت نامہ لکھ کر دیتے تو اپنے نام کے ساتھ ”المتطبب“ لکھتے (یعنی ایسا معالج جو احکام طب سے پوری طرح واقف نہیں)۔ حالانکہ آپ طب کے امام اور نابغہ روزگار تھے۔ الاعلام للزرکلی میں آپ کے حالات زندگی کے ذیل میں آپ کے اپنے ہاتھ کے

لکھے ہوئے ایک اجازت نامے کا عکس اس حقیقت کا مظہر ہے۔

(الاعلام للنزر کلی: ۲۷۱/۴، طبع چہارم)

شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شمار سے باہر ہیں!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ابو العباس احمد بن عبد الحلیم حرانی دمشقی حنبلی کی شان تو سب سے انوکھی و نرالی ہے، آپ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۵ سال کی عمر پر ۷۲۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ نے لگ بھگ ۵۰۰ جلد تصنیفی کام چھوڑا ہے۔ آپ تعلیم، تصنیف اور عبادت کے علاوہ میں وقت خرچ نہ کرتے تھے۔ اسی بناء پر تو آپ کی تصانیف کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کے متعینین تو درکنار خود آپ بھی اپنی تصانیف کو شمار میں نہیں لا سکتے۔

ابن شا کرکتی نے ”فوات الوفيات“ میں لکھا ہے:

آپ کی تصانیف ۳۰۰ کے لگ بھگ جلدیں ہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

وما یبعد أن تصانیفه إلی الآن تبلغ خمس مئة مجلد.

بعید نہیں کہ اب ان کی تصانیف ۵۰۰ کے قریب پہنچ چکی ہوں۔

(فوات الوفيات: ۱/۲۲، ۳۸)

آپ کی کتابوں کے ناموں کو آپ کے شاگرد امام ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۲ صفحات پر مشتمل ایک رسالے میں جمع کیا ہے۔ اور تقریباً ۳۵۰ کتب کا تذکرہ کیا ہے، جن میں بڑی چھوٹی سب کتابوں اور رسائل کو شمار کیا ہے۔

شیخ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ”الوابل الصیب من الکلم الطیب“ میں لکھتے ہیں:

ذکر کا فائدہ نمبر ۶۱: ذکر سے حافظے کی قوت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ ذکر کی

وجہ سے انسان ایسے ایسے کام کرنے لگتا ہے جن کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے المجمع العلمی دمشق میں اس رسالے کی تحقیق کر کے

۱۳۸۰ھ میں اسے چھاپا، پھر کئی بار اسے بیروت سے طبع کروایا۔

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے طور طریقے، گفتگو اور لکھنے میں قوت و تاثیر کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور میں نے آپ میں عجیب قوت دیکھی۔ آپ ایک دن میں اتنا لکھ لیا کرتے تھے کہ جسے کاتب ایک ہفتے سے زیادہ عرصے میں لکھ پاتا۔ (صفحہ ۱۰۸)

شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد کے حوالے سے سب سے معتبر قول حافظ ابن رجب کا ہے، فرماتے ہیں:

وأما تصانیفه فقد امتلأت بها الأمصار، وجاوزت حد الكثرة، فلا يمكن لأحد حصرها.

آپ کی تصانیف سے اطراف عالم بھرے پڑے ہیں۔ ان کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ شمار ممکن نہیں۔ (ذیل طبقات الحنابلہ: ۲/۴۰۳)

محترم قارئین! وقت کی حفاظت کرنے والے ایک عالم کی جدوجہد کا یہ عالم ہے۔ شناسا کہتے ہیں کہ اس کی کتب شمار سے باہر ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔

مرض ہو یا سفر..... ہر حال میں علمی مشغولیت

مصنف فرماتے ہیں:

اس علمی ذخیرے کے رونما ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سفر ہو یا حضر، صحت ہو یا مرض، ہر حال میں مطالعہ اور علمی مشغولیت میں منہمک رہا کرتے تھے۔ آپ کے شاگرد امام ابن قیم لکھتے ہیں:

مجھے شیخ ابن تیمیہ نے بتایا: مجھے مرض لاحق ہو گیا تو طبیب نے مجھ سے کہا:

مطالعہ اور علمی گفتگو مرض میں اضافہ کر دیں گے۔

تو میں نے کہا:

لا أصبر على ذلك، وأنا أحاكمك إلى علمك، أليست النفس إذا فرحت وسرت قويت الطبيعة، فدفعت المرض.

اس سے تو میں پرہیز نہیں کر سکتا۔ یوں کرتے ہیں کہ آپ کے علم سے ہی

فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ یہ بتائیے کہ جب جی خوش ہو تو کیا طبیعت طاقتور نہیں ہوتی اور مرض کا مقابلہ نہیں کرتی؟
طیب کہنے لگا: کیوں نہیں.....
تو میں نے کہا:

فإن نفسي تسر بالعلم، فقوى به الطبيعة، فأجد راحةً.
میراجی علمی مشغولیت سے خوش ہوتا ہے۔ اور طبیعت بحال ہوتی ہے اور میں راحت محسوس کرتا ہوں۔
تو طیب کہنے لگا:

یہ بندہ ہمارے علاج سے باہر ہے۔ (روضۃ المحبین: ص ۷۰)

علامہ اصفہانی کھانا کم کھایا کرتے تھے

امام علامہ شمس الدین ابوالثناء محمود بن عبدالرحمن بن احمد اصفہانی شافعی، فقیہ اور مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ اصولی بھی تھے۔ آپ ۶۷۴ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے اور ۷۴۹ھ میں قاہرہ میں فوت ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے ”الدرر الكامنة“ میں اور علامہ شوکانی نے ”البدر الطالع“ میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:
آپ اپنے شہر ہی میں تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ مختلف فنون میں آپ نے مہارت حاصل کی۔ صفر ۷۲۵ھ میں بیت المقدس کی زیارت کرنے کے بعد آپ دمشق تشریف لے گئے، جہاں آپ کا بہت احترام کیا گیا۔ اہل دمشق آپ کے مناقب سن کر جہاں رہ گئے۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کا بہت احترام کیا۔ ایک مرتبہ فرمایا:
اسکتوا حتی نسمع کلام هذا الفاضل، الذی مادخل البلاد مثله.
خاموش ہو جاؤ اس نوجوان فاضل کی بات سننے دو، ہمارے علاقے میں اس جیسا عالم آج تک نہیں آیا۔
پھر آپ وہاں سے قاہرہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

حصول علم میں آپ کی حرص اور وقت کے ضیاع کے حوالے سے آپ کی طمع کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ کے ایک دوست نے بتایا کہ آپ زیادہ کھانا نہ کھایا کرتے تھے کہ کہیں پانی زیادہ پینا پڑے اور اس کی وجہ سے بیت الخلا جانا پڑے اور اس کی وجہ سے وقت ضائع ہو۔

(الدرر الكامنة: ۶/۸۵، البدر الطالع: ۲/۲۹۸)

ذرا اندازہ کیجیے کہ اس امام کے ہاں وقت کی کتنی قدر و قیمت ہے اور وقت کی قدر و قیمت علم کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے یقیناً انہیں بصیرت عطا کی تھی!

علامہ شوکانی کے یومیہ ۱۳ درس

علامہ قاضی محمد بن علی شوکانی، مفسر، محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اصولی اور کئی تصانیف کے مالک ہیں۔ آپ ۱۱۷۳ھ میں یمن کے علاقے شوکان میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ نے ”البدر الطالع“ میں اپنے بارے میں (غائب کا صیغہ بطور تواضع استعمال کرتے ہوئے) لکھا ہے:

آپ کے یومیہ دروس ۱۳ کی تعداد کو پہنچ گئے تھے۔ کچھ دروس آپ اپنے اساتذہ سے لیتے اور کچھ دروس اپنے شاگردوں کو دیتے۔ ایک عرصے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر آپ نے اساتذہ سے سبق لینے کا سلسلہ منقطع کر کے اپنے آپ کو طلبہ کے افادے کے لیے خاص کر دیا۔ جنہیں آپ یومیہ مختلف فنون میں دس سے زیادہ سبق پڑھاتے تھے۔ بعض اوقات تفسیر، حدیث، اصول، نحو، صرف، معانی، بیان، منطق، فقہ، مناظرہ اور علم عروض سب ہی کا درس دیا کرتے تھے۔ (البدر الطالع: ۲/۲۱۸)

جس دوران آپ کا تعلیم و تعلم (دونوں) کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت آپ تقریباً ۲۰ سال تک اہل صنعاء کے لیے فتویٰ نویسی بھی کرتے رہے۔ پھر ۱۲۲۹ھ سے لے کر وفات تک، ۲۱ سال صنعاء میں قضاء کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۱۴ کتابیں آپ نے علمی میراث میں چھوڑیں۔ آپ نے اپنے حالات زندگی میں اکثر کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ آلوسی صبح سبق پڑھاتے اور رات تفسیر قرآن لکھتے

امام مفسر ابوالثناء شہاب الدین محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی، آپ مفتی بغداد اور خاتمة المفسرین تھے۔ ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

آپ ہر لمحہ علمی ترقی کے مشاق رہتے۔ علمی فائدے سے کسی وقت نہ اکتاتے۔ دن بھر فتویٰ نویسی اور تدریس میں مشغول رہتے۔ رات کے ابتدائی حصے میں کسی طالب علم یا ساتھی کے ساتھ علمی گفتگو میں مصروف رہتے اور رات کے آخری حصے میں تفسیر کے چند اوراق لکھتے۔ اگلے دن صبح وہ اوراق ان کاتبوں کو دے دیتے جنہیں آپ نے اس مقصد کے لیے تنخواہ پر مقرر کر رکھا تھا۔ وہ کاتب ان اوراق کو دس گھنٹوں میں لکھتے۔

آپ یومیہ ۲۴ سبق پڑھایا کرتے تھے۔ جب فتویٰ نویسی اور تفسیر میں مشغول تھے تو یومیہ بڑی بڑی کتابوں کے ۱۳ سبق پڑھایا کرتے تھے۔ آخری مرض تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

(الآلوسی مفسراً۔ ڈاکٹر محسن عبدالحمید: ص ۴۳، ۷۹، ۱۵۹ بحوالہ "المسک الأذفر" مصنفہ شیخ آلوسی کے پوتے اور آپ کے ہم نام محمود شکاری آلوسی: ص ۷، ۸، ۱۹)

آپ کی تفسیر علماء کے ہاں بڑا عالی مقام رکھتی ہے۔ آپ کی علمی فضیلت اور امامت کے لیے تفسیر ہی کافی ہے۔ یاد رہے کہ آپ نے اسے رات کے وقت تالیف کیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

وبادر الليل بما تشتهي

فانما الليل نهار الأريب

”جس کام کے طلبگار ہو اسے رات کے وقت سرانجام دینے میں

جلدی کرو کیونکہ رات عقلمند کے لیے دن کی مانند ہے۔

ادیب یکتا شیخ ابوہلال عسکری کہتے ہیں:

ادیب یکتا شیخ ابوہلال عسکری کہتے ہیں:

وساھر اللیل فی الحاجات نائمہ
 وواھب المال عند المجد کاسبہ
 ”ضرورت کی غرض سے رات کو جاگنے والا سونے والے کی طرح
 ہے، جس طرح بزرگی و شرافت پانے کے لیے مال بخشش کرنے
 والا دراصل کمار ہا ہوتا ہے۔“
 فقہسی جماسی کہتے ہیں:

کانک لم تسبق من الدهر لیلۃ
 اذا انت ادرکت الذی کنت تطلب
 ”جس چیز کے آپ طلب گار ہیں اگر آپ اسے پالیتے ہیں تو
 یوں سمجھئے جیسے آپ کے وقت میں سے رات گزری ہی نہیں (گویا
 وہ ابھی باقی ہے)۔“
 ابن نباتہ سعدی کہتا ہے:

اعاذتہ علی اتعاب نفسی
 ورعی فی الدجی روض السہاد
 اذا شام الفتی برق المعالی
 فاهون فانت طیب الرقاد
 ”مجھے اپنے نفس کو تھکانے اور رات کی تاریکی میں بے خوابی کے
 باغات میں چرنے پہ ملامت کرنے والے سن! جب نوجوان
 بلند یوں کی چمک دیکھ رہا ہو تو میٹھی نیند کو کھونا بڑا آسان ہو
 جاتا ہے۔“
 ایک اور شاعر کہتا ہے:

یھوی الدیاجی اذا المغرور اغفلھا
 کان شہب الدیاجی اعین نجل
 ”تاریکیوں کے عشق سے غافل دھوکہ زدہ ہی ہو سکتا ہے، یوں

سمجھو کہ تاریکی میں چمکنے والے ستارے (بے خوابی سے پھٹی پھٹی) خوبصورت وسیع آنکھیں ہیں۔“

علامہ عبدالحی لکھنوی کی ۳۹ سال کی عمر میں ۱۱۰ تصانیف

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، برصغیر کے عالم دین امام عبدالحی لکھنوی کو لے لیجیے، آپ تقریباً سو سال قبل ۱۳۰۴ھ میں ۳۹ سال کی عمر پر کفوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف ۱۱۰ سے متجاوز ہیں۔ ان میں متعدد جلدوں کی کتابوں کے ساتھ ساتھ چند صفحات کے رسائل بھی شامل ہیں۔ اور تمام کی تمام کتب مفید، مشکل مباحث اور مسائل پر مشتمل ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ایک ہزار سے متجاوز

شیخ الہند مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو تقریباً ۴۰ سال قبل ۱۳۶۲ھ میں ۸۱ سال کی عمر میں دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی تصانیف ایک ہزار سے متجاوز ہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ اور یہ سب حفاظت وقت کے کارنامے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وقت کی قدر و قیمت چند وہی لوگ جانتے ہیں جو توفیق الہی سے بہرہ ور ہیں۔ اور زندگی کے مختصر ایام میں بڑی بڑی تصانیف کا ورثہ چھوڑ جاتے ہیں۔

علمائے امت کی تصانیف حفاظت وقت کی علامت ہیں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون نقل کیا جائے، جس میں انہوں نے صرف قرآن کریم کی ضخیم تفاسیر کا تذکرہ کیا ہے، جو اس بات کی بین علامت اور ثبوت ہیں کہ حضرات علمائے کرام کا علمی ذوق اور حفاظت وقت کس قدر تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اتنی بڑی بڑی تصانیف کے قابل ہوئے کہ جنہیں صرف سن کر ہی انسان حیران رہ جاتا ہے..... دیکھنے والے کا کیا عالم ہوگا؟

شیخ اپنی کتاب ”مقالات الکوثری“ میں خدمت قرآن کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قرآن کریم کے معانی و مفہیم کو بیان کرنے کے لیے اہل علم کی تالیفات تقریباً ناقابل شمار ہیں۔ اگرچہ انداز بیان جدا جدا ہے، کسی کا انداز درایت پر مبنی ہے اور کسی کا روایت پر۔ علوم قرآن میں مختلف علوم محل نظر ہیں، اور قرآن کریم کے مختلف گوشوں میں سے کسی خاص جہت پر توجہ مذکور کرتے ہوئے اپنے اپنے ذوق کے مطابق یہ تالیفات مرتب کی گئی ہیں۔

قارئین گرامی کی اجازت کے ساتھ میں اس حوالے سے علمائے امت کی چند تصانیف کا تذکرہ کرنے جا رہا ہوں جو ان کی مساعی کریمہ کا ایک نمونہ ہیں: امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر ”المختزن“ علامہ مقریزی کے ”الخطط“ میں ذکر کردہ بیان کے مطابق ۷ جلدوں میں ہے۔

قاضی عبدالجبار ہمدانی کی تفسیر ”المحیط“ سو جلدوں میں ہے۔

علامہ ابو یوسف عبدالسلام قزوینی کی تفسیر ”حدائق ذات بھجة“ سب سے کم قول کے مطابق تین سو جلدوں میں ہے۔ مؤلف نے اس تفسیر کو لکھ کر مسجد امام ابوحنیفہ بغداد میں رکھ کر وقف کر دیا تھا اور خود ان کتب کی تیاری میں مصروف ہو گئے جو دار الخلافہ بغداد پر تاتاریوں کے حملے کے دوران ضائع ہو گئی تھیں۔ ہندوستان کے ایک ادیب سے میں نے خود سنا ہے کہ انہوں نے کسی مکتبے میں اس کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔

حافظ ابن شاہین کی تفسیر ایک ہزار جلدوں میں ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی کی تفسیر ”انوار الفجر“ تقریباً ۸۰ ہزار اوراق پر مشتمل ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ تفسیر ہمارے علاقوں۔ اصطنبول اور ترکی کے کتب خانوں میں۔ موجود ہے، اگرچہ تلاش بسیار کے بعد مجھے نہیں مل سکی۔

شیخ ابو حیان کے استاد شیخ ابن نقیب مقدسی کی تفسیر تقریباً ۱۰۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے کچھ جلدیں اصطنبول کے کتب خانوں میں ہیں اور کچھ اور

جگہوں پہ ہیں۔

البتہ ہمارے علم کے مطابق سب سے ضخیم تفسیر جو کہ آج کرہ ارض پر مکمل حالت میں موجود ہے، وہ تفسیر ”فتح المنان“ ہے جو کہ التفسیر العلامی کے نام سے معروف ہے۔ اس کی نسبت علامہ قطب الدین شیرازی کی طرف کی جاتی ہے اور یہ تفسیر ۴۰ جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد دارالکتب المصریہ میں ہے، اسی سے مصنف کا تفسیری اسلوب معلوم ہوتا ہے۔ اور اصطنبول میں محمد اسعد اور علی پاشا حلیم اوغلی کے کتب خانوں میں مختلف جلدیں موجود ہیں۔ سب ملا کر مکمل نسخہ بن جاتی ہیں۔

”المنہل الصافی“ میں درج ہے کہ علامہ محمد زاہد النجاری کی تفسیر ۱۰۰ جلدوں میں ہے۔

غرضیکہ اس امت کے علماء کی تفاسیر حد شمار سے باہر ہیں۔ اس جلیل القدر خدمت کے علاوہ کتاب اللہ کی شارح سنن مبارکہ کی تدوین کے حوالے سے ان کی خدمات اس کے علاوہ ہیں جو کہ کتاب اللہ کے اجمال کو روز روشن کی طرح عیاں کرتی ہیں۔ (مقالات الکوثری: ص ۲۰۲-۲۰۳)

کاروان علم کے شہسوار

علامہ فقیہ، اصولی، محقق، محمد الحسن جوئی فاسی مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی“ میں امام ابن جریر طبری کے حالات زندگی میں ان علماء کا تذکرہ کیا ہے، جن کی تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان میں ابن جریر اور ابن جوزی وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی ذکر کردہ باتوں کو درج کر رہے ہیں اگرچہ گزشتہ صفحات کے اعتبار سے ان میں سے کچھ باتیں مکرر ہوں گی، لیکن امید ہے کہ مفید رہیں گی۔

تاریخ اسلامی کے سب سے بڑے مصنف

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تصنیف کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔ آپ کی

تصانیف جہاں علمی اعتبار سے مستحکم ہیں وہیں نفع کے اعتبار سے بھی عام ہیں۔ آپ نے جو علمی میراث چھوڑی ہے وہ تقریباً ”ساڑھے تین لاکھ“ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہم تک پہنچنے والا یہ سب سے قیمتی اور ضخیم علمی ذخیرہ ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔

یوں تصنیفی میدان کی کامیابی کا سارا سہرا آپ کے حصے میں آتا ہے۔ آج تک متقدمین میں سے اس پائے کا کوئی شخص نہیں جس کی تصانیف میں علمی اتقان بھی ہو اور عموم نفع بھی۔ میری رائے کے مطابق اس مقام پر آپ تنہا ہیں۔ بجا طور پر آپ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے:

”آپ تاریخ اسلامی کے سب سے بڑے مصنف ہیں۔“

علامہ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ

”الذیبا ج المذہب“ میں مرقوم ہے کہ قاضی ابو بکر محمد بن طیب باقلانی ہر رات ۸۰ رکعات نماز پڑھتے اور سونے سے پہلے ۳۵ اوراق زبانی لکھتے۔

علامہ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن ابی الدنیا کی لگ بھگ ایک ہزار تصانیف ہیں۔

علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن عساکر کی تاریخ کی کتاب اسی جلدوں میں ہے۔

علامہ ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

سب سے زیادہ تصانیف علامہ ابن شاہین کی ہیں۔ ۳۳۰ کتب علامہ ابن

شاہین کی میراث ہیں۔ جن میں سے ”النفیس“ ایک ہزار اجزاء میں، اور ”المسند“ ۱۱۵۰۰ اجزاء میں ہے۔

سیوطی فرماتے ہیں:

یہ مکان کی طرح زمانے کے سکڑنے کی برکات کا نتیجہ ہے۔ یعنی اسراء اور لیلۃ القدر اس امت کے نصیب میں آئی ہیں اور یہ زمانے اور مکان کے سمٹنے کی بہترین مثالیں ہیں۔ گویا یوں پوری امت کے حصے میں یہ دو چیزیں ہیں۔

(المنح البادية)

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

علامہ امام ابو محمد علی بن حزم کی تصانیف ۴۰۰ جلدیں ہیں، جو تقریباً ۸۰ ہزار اوراق پر مشتمل ہیں۔

علامہ ابن ابی حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی کی فقہ، حدیث اور تاریخ میں متعدد کتب ہیں۔ جن میں سے صرف ”المسند“ ایک ہزار اجزاء میں ہے۔

(الطبقات السبکیة)

حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

”المستدرک علی الصحیحین“ کے مؤلف علامہ ابو عبداللہ حاکم المعروف بابن البیج کی تصانیف ۱۱۵۰۰ اجزاء پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے اہم کتابیں یہ ہیں:

تخریج الصحیحین، العلل، الأمالی، فوائد الشیوخ اور تاریخ

نيسابور.

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بڑی ۵۰ کتابیں ہیں، ان میں سے اکثر کتابیں گمراہ فرقوں کے رد میں لکھی گئی ہیں۔ تصنیفی اعتبار سے یہ سب سے مشکل کام ہے جس کے لیے بہت سا وقت درکار ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف فنون میں ۳۰۰ کتابیں لکھیں، جو تقریباً ۵۰۰ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

امام ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بڑی تصانیف تقریباً ۵۰ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ایک ہزار اجزاء لکھے ہیں۔ سب نادر اور فوائد سے بھرپور ہیں۔ آپ نے ۳۰ سال تک روزے رکھے۔

علامہ محمد بن سخون مالکی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور زمانہ علامہ محمد بن سخون مالکی کی فقہ، سیر، تاریخ اور دیگر علوم پر مشتمل ایک ہزار اجزاء میں کتاب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر کتب میں ”احکام القرآن“ بھی ہے۔

علامہ ابوبکر بن عربی معافری رحمۃ اللہ علیہ

فاس کے علاقے میں دفن ہونے والے امام ابوبکر عربی معافری کی تفسیر ۸۰

اجزاء پر مشتمل ہے۔ آپ کی دیگر تالیفات میں سے اہم ”شرح الترمذی“،
 ”شرح المؤطا“، ”احکام القرآن الكبرى“، ”احکام القرآن
 الصغری“، ”القواصم والعواصم“، ”المحصول فی
 الاصول“ ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف علمی اعتبار سے اعلیٰ مقام کی حامل
 اور نادر الوجود ہیں۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ آپ نے صرف ایک مسئلے:
 ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج قرآن تھا یا افراد یا تمتع؟“

پر ایک ہزار اوراق رقم کیے۔ علمائے اسلام میں اس کی مثال کہاں ہے؟

علامہ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابو عبیدہ معمر بن ثنی کی مختلف علوم میں ۲۰۰ تصنیفات ہیں۔

علامہ ابن سرتج رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن سرتج رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۰۰ تالیفات ہیں۔

قاضی فاضل رحمۃ اللہ علیہ

قاضی فاضل رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۰۰ کتابیں ہیں۔

علامہ ابن حبیب اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

اندلسی عالم علامہ عبد الملک بن حبیب کی ایک ہزار تصنیفات ہیں۔

(نفخ الطیب)

چند ضخیم کتابیں

ان علماء کی کتابیں کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں:
 علامہ ابن جوزی کے نواسے کی تاریخ کی کتاب ”مرآة الزمان“ ۴۰ جلدوں میں ہے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی ”تاریخ بغداد“ ۱۴ جلدوں میں ہے۔
 ”الایغانی“ ۲۰ جلدوں میں ہے۔

”کامل ابن اثیر“ ۱۲ جلدوں میں ہے۔

علامہ ابو حنیفہ دینوری کی ”شرح النبات“ شرح ۶۰ جلدوں میں ہے۔
 عرب کے فلسفی یعقوب بن اسحاق کندي کی فلسفے، طب، ہندسہ اور دیگر علوم میں ۲۳۱، بلکہ ۳۰۰ سے زائد کتابیں ہیں۔

لیکن چونکہ اس زمانے میں اشیائے کتابت کی قلت ہوا کرتی تھی اس لیے ان کی جلد کی ضخامت ۱۰ اوراق سے لے کر ۱۰۰ اوراق تک پر مشتمل ہے۔

متاخرین کی تصانیف متقدمین سے کم ہیں

جبکہ متاخرین کے ہاں اشیائے کتابت کی فراوانی تھی۔ اس کے باوجود ان کی تصانیف کی تعداد متقدمین کی تعداد کو نہیں پہنچتی۔ جیسے ”فتح الباری“ اور ”الاصابة“ کے مصنف حافظ ابن حجر، علامہ ذہبی اور علامہ سیوطی جن کی تصانیف ۴۰۰ کتب سے زائد ہیں، ان میں سے اکثر حجم کے اعتبار سے ایک، دو اوراق پر مشتمل ہیں۔

اس سے بھی زیادہ اس بات کی شاہد شیخ ابوالفیض محبت الدین محمد مرتضیٰ حسینی واسطی زبیدی حنفی۔ جن کی پیدائش اور نشوونما ہندوستان میں ہوئی اور بعد ازاں مصر چلے گئے۔ کی ”شرح القاموس“ اور ”شرح الاحیاء“ ہیں۔ انہیں خوب مقبولیت عطا ہوئی اور عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بنیں۔

(الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی: ۳/۴۹-۴۵)

مصنف فرماتے ہیں:

علامہ حجّوی نے امام ابن جریر طبری کی کثرت تصنیفات کے ذیل میں جو مختلف کثیر التصانیف علماء کا سرسری تذکرہ کیا ہے، وہ اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان ضخیم اور حیران کر دینے والی تصانیف کا تذکرہ میں نے اس بات کو اجاگر کرنے کے لیے کیا ہے کہ یہ کیسے لکھی گئیں؟ اس سوال کا آسان سا جواب یہ ہے کہ یہ سب وقت کی حفاظت اور اس کا اہتمام اور قدر دانی کرنے کی وجہ سے وجود میں آئیں۔ یقیناً وقت کا چھوٹے سے چھوٹا لمحہ ضائع کیے بغیر ہی اتنے بڑے آثار وجود میں آسکتے ہیں اور عمریں طویل ہو سکتی ہیں۔ اور اسی کی بدولت اللہ پاک مختصر وقت اور عمر میں برکت عطا فرما دیتا ہے۔

والله يؤتي فضله من يشاء وهو ذو الفضل العظيم

متقدمین بڑے عالم تھے یا متاخرین؟

ان بڑے بڑے علماء کی جو کثیر تصانیف اور ضخیم تالیفات کا تذکرہ میں نے کیا ہے، اس سے آپ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ علماء علمائے سابقین اور اسلاف متقدمین سے زیادہ بڑے علماء ہیں۔ یہ گمان غلط ہے۔ کثرت تصانیف اور ضخامت تالیفات، متقدمین پہ علمی اعتبار سے فائق ہونے کا معیار نہیں۔ اسلاف شریعت الہی کے متاخرین سے بڑے واقف کار اور آشنا تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلاف کا کلام کم ہے اور متاخرین کا زیادہ ہے اور اسی بناء پر دھوکہ ہوتا ہے۔

کبار تابعین کی گواہی

① جلیل القدر تابعی، شیخ القراء اور مفسرین کے استاد، حافظ الحدیث، امام وقت، فقیہ و مابد، حضرت مجاہد بن جبر کی۔ جو ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فرماتے ہیں:

ذهب العلماء! فلم يبق الا المتعلمون، وما المجتهد فيكم اليوم

الا كاللاعب فيمن كان قبلكم
 ”علماء ختم ہو گئے! اب صرف طلبہ رہ گئے ہیں، تمہارے آج کے محنتی کی مثال
 متقدمین کے اس شخص کی سی ہے جو کھیل کود میں مصروف رہتا ہو۔“

(التاریخ الكبير لابن ابی خيثمه، مخطوطه)

② جلیل القدر تابعی، امام ربانی، واعظ، اہل دمشق کے شیخ، زاہد وقت، عالم بے
 مثل شیخ بلال بن سعد اشعری دمشقی۔ جو ۱۲۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ فرماتے ہیں:
 زاہدکم راغب، ومجتهدکم مقصر، وعالمکم جاہل،
 و جاہلکم مغتر۔

تم میں سے جو دنیا سے بے رغبتی اختیار کیے ہوئے ہے درحقیقت وہ دنیا میں
 مشغول ہے، جو تم میں سے بہت محنتی نظر آتا ہے وہ درحقیقت کوتاہی کا شکار
 ہے، تمہارا عالم جاہل ہے اور تمہارا جاہل دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔

(کتاب الزهد للإمام عبداللہ بن مبارک: ص ۶۰)

③ حماد بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
 جلیل القدر تابعی، حافظ الحدیث، امام، سید الفقہاء والعلماء، یکتائے زمانہ شیخ
 ایوب سختیانی بصری۔ جو کہ ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔
 سے پوچھا گیا:
 آج علم زیادہ ہے یا کم؟
 فرمایا:

الكلام اليوم أكثر، والعلمُ كان قبل اليوم أكثر.
 آج کلام زیادہ ہے جبکہ علم کل زیادہ تھا۔

(المعرفة والتاریخ للفسوی: ۲/۲۳۲)

④ جلیل القدر تابعی، قرائے سبعہ میں سے ایک، اپنے زمانے کے قرآن،
 قرأت، عربی زبان و ادب، شاعری اور نحو کے سب سے بڑے عالم، آپ کی وہ کتابیں
 جو آپ نے ان عرب فصحاء کے بارے میں لکھیں جن سے آپ نے ملاقات کی، ان

سے آپ کا گھر چھت تک بھر گیا تھا، شیخ ابو عمر بن علاء بصری۔ جو کہ ۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے۔ فرماتے ہیں:

ما نحن فيمن مضي، إلا كبقيل في أصول نخل طوال.
گذشتہ لوگوں یعنی متقدمین کے سامنے ہماری مثال اس ترکاری کے پودے کی طرح ہے جو کھجور کے اونچے اونچے درختوں کے درمیان اُگا ہو۔

(موضح أو هام الجمع والتفريق، خطيب بغدادی: ۵/۱)

یہ چار ائمہ تابعین ہیں، جو مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان سب کی عبارتیں اس بات پر متفق ہیں کہ سلف صالحین متاخرین سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ جن کا زمانہ ان سے بھی زیادہ یا کم بعد کا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ ان میں تو بہت واضح فرق ہے اگرچہ وہ کبار ائمہ ہی کیوں نہ ہوں!

بہت سے کبار علماء نے اس بات کی وضاحت کی ہے، اگر کلام کی طوالت اور قلت جگہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس حوالے سے ان کے کلام کو ضرور نقل کرتا۔ یہاں میں صرف حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۶ھ - ۷۹۵ھ) کے کلام پر اکتفاء کرتا ہوں:

کثرت کلام نے بہت سے متاخرین کو فتنے میں ڈالا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ مسائل دین میں جس کا کلام اور جدال زیادہ ہو تو وہ زیادہ بڑا عالم ہے اور یہ محض جہالت کی بات ہے!

حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابن مسعود اور زید بن ثابت۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ جیسے کبار صحابہ کو دیکھئے..... ان کا کلام حضرت ابن عباس سے کم تھا، حالانکہ وہ حضرات حضرت ابن عباس سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

اسی طرح تابعین کا کلام صحابہ کے کلام سے زیادہ ہے۔ حالانکہ صحابہ تابعین سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح تبع تابعین کا کلام تابعین کے کلام سے زیادہ ہے حالانکہ تبع تابعین سے بڑے عالم ہیں۔

علم کثرت روایات اور کثرت مقال کا نام نہیں۔ علم تو دل میں مخفی نور کا نام ہے، جس کی پہچان حقیقی بندے کو ہوتی ہے، جس کے ذریعے وہ حق اور باطل

کے درمیان فرق کو پہچانتا ہے۔ اور اس علم کو وہ مختصر اور مقصود حاصل گفتگو کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ آپ کا کلام انتہائی مختصر ہوتا تھا، اسی بناء پر تو آپ نے کثرت کلام اور قیل و قال سے منع فرمایا ہے۔

ہمارا واسطہ جہلاء سے پڑ گیا ہے! وہ یہ سمجھتے ہیں کہ متاخرین میں سے جو زیادہ بولتا ہے وہ متقدمین سے زیادہ علم رکھتا ہے! کچھ تو یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص صحابہ اور تابعین سے بڑا عالم ہے..... صرف اس وجہ سے کہ اس کا کلام زیادہ ہے اور کچھ یوں کہہ دیتے ہیں: فلاں مشہور ائمہ فقہاء سے بڑا عالم ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے، کیونکہ مشہور ائمہ فقہاء متقدمین سے بھی زیادہ کلام والے ہیں، اور جب ان کے بعد والے وسعت کلام کی وجہ سے ان سے بڑے عالم ہوتے تو فقہاء ائمہ ان لوگوں سے بڑے عالم ہوتے جن کا کلام ان سے کم ہے۔ جیسے امام ثوری، اوزاعی، لیث اور ابن مبارک وغیرہ اپنے سے پہلے تابعین اور صحابہ سے بڑے ہوتے، کیونکہ کبار صحابہ و تابعین کا کلام ان سے کم ہے۔ درحقیقت یہ اسلاف پر بہت بڑا طعن ہے اور ان کی طرف جہالت اور علمی کوتاہی کی نسبت ہے..... جائے پناہ!

(فضل علم السلف علی الخلف: ص ۲۶، ۲۸ اور ۲۸)

وقت کی حفاظت کرنے والے اور اس کی قدر دانی کرنے والے علماء کے تذکرے کے اختتام پر میں مختصر انداز میں حافظ ابوالقاسم بن عسا کر دمشقی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سوئے ہوئے کو بیدار کر سکتا ہے اور عزائم میں تحریک پیدا کر سکتا ہے۔

حافظ ابن عسا کر رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ورثے کی ضخامت

حافظ ابوالقاسم بن عسا کر علی بن حسن دمشقی، دمشق میں ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق ہی میں ۵۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ وقت کے ہر لمحے کے محافظ تھے۔ مکتبہ اسلامیہ میں آپ نے خوبصورت اضافہ کیا، آپ کی تصانیف کی تعداد اتنی

زیادہ ہے کہ آج کی علمی سوسائٹیاں بھی انہیں چھاپنے سے قاصر ہیں! حالانکہ آپ نے تنہا انہیں لکھا، اپنے قلم سے تحریر میں لائے، خود ان کی تحقیق کی، اصول کو جمع کر کے چھانا، تنسیق و ترتیب دی، تنہا لوگوں کے سامنے اور رہتی دنیا کے لیے عظیم مثال پیش کر دی۔ قوت حافظہ، معرفت کی فراوانی اور حیران کر دینے والی کتابوں کی تالیف میں بلند ہمتی میں آپ یکتائے روزگار ہیں۔

ذیل میں ہم تین کتابوں سے اخذ کر کے شیخ کے حالات زندگی ذکر کرتے ہیں، جس میں شیخ کے علمی اسفار کی کثرت، مؤلفات کی فراوانی اور اوقات کی بھرپور حفاظت پر صرف اکتفاء کریں گے۔

① مؤرخ قاضی ابن خلکان "وفیات الاعیان" میں آپ کے حالات زندگی کے ذیل میں لکھتے ہیں:

آپ اپنے زمانے کے شام کے محدث اور فقہائے شافعیہ میں سے ایک اہم شخصیت تھے۔ علم حدیث کا آپ پر غلبہ تھا، اسی سے مشہور تھے۔ آپ نے طلب حدیث میں اس قدر محنت کی اور اس قدر ذخیرہ جمع کیا کہ جو کسی دوسرے کے حصے میں نہ آیا۔ کئی علاقوں کا سفر کیا اور مشائخ سے ملاقات کی۔ آپ سفر میں حافظ ابو سعد عبدالکریم ابن سمعانی کے رفیق رہے۔ واضح رہے کہ شیخ سمعانی کے وہ شیوخ جن سے آپ نے دارالاسلام میں حدیث کا علم حاصل کیا، سات ہزار سے متجاوز ہیں۔

آپ حافظ الحدیث اور شریعت کے پابند تھے۔ متون اور اسناد حدیث دونوں کے جامع تھے۔ بغداد میں علم حدیث کے حاصل کرنے میں مشغول رہے، پھر دمشق لوٹ آئے، پھر خراسان چلے گئے اور پھر وہاں سے نیشاپور، ہرات، اصفہان اور دیگر پہاڑی علاقوں میں زانوئے تلمذ طے کرتے رہے۔ بہت سی مفید کتابیں آپ نے لکھیں۔ احادیث کے حوالے سے بہترین متکلم تھے۔ جمع و تالیف دونوں میں سے حظ وافر پایا۔ ۸۰ جلدوں میں "التاریخ لدمشق" لکھی، جس میں شاندار کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ خطیب بغدادی کی "تاریخ

بغداد“ میں ذکر کردہ شرائط اور انداز کے مطابق ہے۔ لیکن حجم اور فائدے کے اعتبار سے کئی گنا ہے۔

حافظ علامہ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم منذری۔ حافظ مصر۔ کے ساتھ ایک بار ”تاریخ دمشق“ کا تذکرہ چھڑ گیا، انہوں نے ایک جلد نکالی اور دیر تک اس کی تعریف کرتے رہے، اور فرمانے لگے:

”میرا خیال تو یہ ہے کہ اس شخص نے جس دن شعور کی منزل پائی، اسی دن سے اس تاریخ کو لکھنے کا ارادہ کیا اور اسی وقت سے اسے جمع کرنا شروع کر دیا، کیونکہ جب انسان تدریس میں مشغول ہو جائے اور بشریت کی بلندیوں کو پالے تو پھر (دیگر مصروفیت کی بنا پر) اس جیسی کتاب لکھنے کے لیے انسانی عمر کم ہے۔“

شیخ نے بجا فرمایا، اس بات کی سچائی وہی جان سکتا ہے جس نے اس کتاب کا مطالعہ کیا گیا ہو۔ انسان کی عمر میں اتنا وقت کہاں کہ اس جیسی کتاب لکھ سکے۔ شیخ نے جو فرمایا ہے تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اسی صورت میں صحیح مانا جا سکتا ہے کہ جب لاتعداد مسودات میں اسے ضبط کیا ہو۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی تالیفات اور مفید اجزاء ہیں۔

(وفیات الاعیان: ۱/۳۳۵)

ابن عسا کر رحمۃ اللہ علیہ کی علم سے دلی وابستگی

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ”تذکرۃ الحفاظ“ میں لکھتے ہیں:

امام، حافظ الحدیث، محدث شام، فخرائمه، ابوالقاسم بن عسا کر، کئی کتابوں کے اور ”التاریخ الکبیر“ کے مصنف ہیں۔ آپ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ (یعنی صرف ۶ سال کی عمر میں) میں اپنے والد اور بھائی امام ضیاء الدین ہبۃ اللہ کی توجہ کی وجہ سے علم حدیث کا درس لینا شروع کر دیا۔ دمشق ہی میں زانوئے تلمذ طے کرتے رہے۔ بیس سال کی عمر میں رخت سفر باندھا،

بغداد، مکہ، کوفہ، نیشاپور، اصفہان، مرو، اور ہرات میں طلب حدیث میں مشغول رہے۔ آپ نے ”الأربعین البلدانیة“ - یعنی چالیس حدیثیں، چالیس شیوخ سے چالیس شہروں میں - پر عمل کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ۱۳۰۰ ہے اور ۸۰ سے زائد خواتین محدثات سے علم حدیث حاصل کیا۔

خلق کثیر نے آپ سے حدیث کی روایت کی۔ ان میں ایک نام آپ کے رفیق سفر شیخ ابوسعید سمعانی کا بھی ہے۔ علامہ ذہبی نے آپ کی ۵۰ کے قریب کتابوں کو شمار کیا ہے۔ آپ نے ۱۰۸ علمی مجالس میں حدیث کی املاء کرائی۔ ان میں سے ہر مجلس کا مواد ایک کتاب کے برابر ہے۔

آپ کے بیٹے محدث بہاء الدین قاسم کہتے ہیں:

میرے والد صاحب نماز باجماعت اور تلاوت کے پابند تھے، ہر ہفتے ایک قرآن پاک ختم کرتے، رمضان میں روزانہ ختم قرآن کرتے، دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی کنارے میں معتکف رہتے۔ بہت زیادہ نوافل اور ذکر و اذکار کیا کرتے تھے، ۱۵ شعبان اور عیدین کی راتوں میں رات بھر نماز و ذکر میں مصروف رہتے۔ ہر گزرے لمحہ پر اپنے نفس کا احتساب کرتے، چالیس سال کی عمر کے بعد سے یعنی جب سے شیوخ نے حدیث بیان کرنے کی اجازت دی ہے، خلوت ہو یا جلوت حتیٰ کہ تفریح کے مواقع پر بھی صرف جمع حدیث اور ذکر میں مشغول رہتے۔

حافظ ابوالعلاء ہمدانی فرماتے ہیں:

حافظ ابوالقاسم بن عسا کر بغداد میں ”غضب کے ذہین“ مشہور تھے، کیونکہ ذکاوت، حسن فہم اور ذہنی چستی میں آپ بے مثال تھے۔

ابوالمواہب بن صصری کہتے ہیں: میں نے شیخ سے کہا:

حضرت! آپ نے اپنے جیسا کوئی دیکھا ہے؟

فرمایا: یوں مت کہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَزُكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (سورۃ نجم: ۳۲)

”خود ستائی مت کرو۔“

میں نے کہا: یہ بھی تو ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (سورۃ ضحیٰ: ۱۱)

”اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو۔“

پھر فرمایا: اگر کوئی یوں کہے:

”میری آنکھوں نے میرے جیسا نہیں دیکھا“

تو وہ سچ کہے گا۔

ابوالمواہب کہتے ہیں: میں نے آپ جیسا نہیں دیکھا۔ جو خصوصیات آپ میں

ہیں وہ کسی میں نہیں دیکھیں۔ یعنی چالیس سال سے جن معمولات کی آپ

پابندی کر رہے ہیں ویسی پابندی کسی میں نہیں دیکھی۔ وہ معمولات یہ ہیں:

صف اول میں جماعت کی پابندی (البتہ اگر کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے)،

رمضان اور ذی الحجہ کے دس دنوں کا اعتکاف، دنیاوی مال و اسباب حاصل کرنے

سے بے پرواہی، ان سب سے آپ تہی دامن تھے، اسی طرح آپ نے امامت

اور خطابت جیسے مناصب سے اعراض کیا، آپ کو پیشکش بھی ہوئی لیکن آپ نے

انکار کر دیا، اور اپنے آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مصروف رکھا اور

اس سلسلے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱۳۲۸/۴)

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی علم سے دلی وابستگی

امام تاج الدین سبکی ”طبقات الشافعیۃ الکبریٰ“ میں لکھتے ہیں:

جلیل القدر امام، حافظ امت، ابوالقاسم بن عساکر، ناصر حدیث، خادم سنت،

اپنے وقت کے محدثین کے امام، خاتمۃ الحفاظ اور طلبہ حدیث کا ^{مطہر} نظر

(آپ کے آباؤ اجداد میں سے عساکر کسی کا نام نہیں، صرف آپ ہی اس نام

سے مشہور ہوئے)۔

آپ مختلف علوم کے شہسوار تھے، علم اور عمل دونوں ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا

تھے، یہ دونوں ہی آپ کا مقصود تھے، حافظہ ایسا کمال کا تھا کہ کوئی چیز غائب نہ ہوتی، خواہ پرانی ہو یا نئی سب اس میں جمع تھیں، علمی پختگی میں سب یہ فائق تھے اور وسعت علم میں آپ نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

خلق کثیر سے آپ نے استفادہ کیا۔ آپ کے شیوخ کی تعداد ۱۳۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ ۸۰ سے زائد خواتین محدثات سے بھی استفادہ کیا۔ عراق، مکہ اور مدینہ تینوں کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ درج ذیل عجمی علاقوں کا طلب حدیث کے لیے سفر کیا:

اصفہان، نیشاپور، مرو، تبریز، میھنہ، بیہق، خسرو جرد، بسطام، دامغان، ری، زنجان، ہمدان، اسد آباد، جی، ہرات، بون، بلخ، بونج، سرخس، نوقان، سمنان، ابھر، مرند، خوی، جرباذقان، مشکان، روزراور، حلوان اور ارجیش۔ انبار، رافقہ، رجبہ، مار دین اور ماکسین وغیرہ بہت سے علاقوں میں بھی سماع حدیث کیا۔ دور دراز کے بہت سے علاقوں میں آپ نے علمی سفر کیے۔ آپ مسلسل وطن سے دور رہے۔ دور دراز کے بیابانوں میں سرگرداں رہے، یہ تمام سفر آپ تنہا کرتے رہے، صرف تقویٰ اور خوف خدا ہی آپ کا ہم نشین رہا، اس کے ہمراہ آپ کا عزم مصمم تھا جو صرف منزل مقصود پر ہی پرسکون ہوتا تھا۔

آپ کے شیخ خطیب ابوالفضل طوسی فرماتے ہیں:

آج حافظ کے لقب کا حق دار آپ کے علاوہ ہم کسی کو نہیں پاتے۔

ابن نجار کہتے ہیں:

آپ اپنے زمانے کے امام المحدثین تھے، حفظ اور اتقان کی ریاست آپ پر ہی ختم ہوتی تھی، علوم حدیث کی معرفت کامل، ثقہ و شرافت و بزرگی اور حسن تصنیف میں آپ بے مثل تھے۔

ابن نجار کہتے ہیں:

میں نے اپنے شیخ عبدالوہاب بن امین کو یہ کہتے ہوئے سنا:



میں ایک دن حافظ ابو القاسم بن عسا کر اور شیخ ابوسعید بن سمعانی کے ہمراہ تھا، ہم لوگ طلب حدیث اور شیوخ سے ملاقات کے سلسلے میں جا رہے تھے۔ ہماری ملاقات ایک شیخ سے ہوئی۔ ابن سمعانی نے شیخ سے کچھ پڑھنے کے لیے انہیں روک لیا۔ جس جزء کو وہ شیخ سے سننا چاہتے تھے، اسے وہ اپنے تھیلے میں ڈھونڈنے لگے لیکن نہ ملا۔ اس پر انہیں بہت بے چینی ہوئی۔ ابن عسا کر نے پوچھا: کون سا جزء سننا چاہتے ہو؟

کہنے لگے: ”کتاب البعث والنشور لابن ابي داود“، اسے میں نے ابونصر زینبی سے سنا ہے۔ ابن عسا کر کہنے لگے:

پریشان مت ہوئے!

اور خود زبانی وہ جزء سنا دیا۔

آپ کے بارے میں شیخ محی الدین نووی فرماتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نقل کر رہا ہوں:

”ابن عسا کر نہ صرف شام کے بلکہ دنیا بھر کے حافظ الحدیث ہیں، مطلق امام اور ثقہ ہیں۔“

علمی نقصان پر ابن عسا کر رحمۃ اللہ علیہ کی بے چینی

آپ کے بیٹے حافظ ابو محمد قاسم بیان کرتے ہیں:

میرے ابا جان نے بہت ساری کتب کا سماع کیا تھا، لیکن اپنے رفیق سفر حافظ ابو علی بن وزیر پر بھروسہ کرتے ہوئے کچھ نسخے حاصل نہ کر پائے تھے۔ جن نسخوں کو ابن وزیر حاصل کر پائے ابا جی انہیں نہ حاصل کر سکے اور جن تک ابا جی کی رسائی ہوئی ابن وزیر انہیں نہ پاسکے۔

ایک رات ابا جی اپنے رفیق کے ساتھ چاندنی رات میں مسجد میں بیٹھے کہہ رہے تھے: ”لگتا ہے جیسے کچھ حاصل نہیں ہوا! میرا خیال تھا کہ میرا رفیق سفر ابن وزیر ان کتابوں کو لے آئے گا جن کا میں سماع کر چکا ہوں، جیسے صحیح بخاری، مسلم، علامہ بیہقی کی کتب، عالی سند اجزاء، لیکن وہ مرد میں ہی رہ گئے۔“

مجھے ایک اور دوست کے آنے کی امید تھی، جن کا نام یوسف بن فارواجیانی ہے، اور ابوالحسن مرادی کے آنے کی بھی امید ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا: شاید میں دمشق آؤں اور وہاں سے اپنے علاقے اندلس جاؤں۔

لیکن کوئی بھی دمشق نہیں پہنچا۔ مجھے تیسری بار سفر کرنا پڑے گا اور اہم اجزاء اور بڑی کتابوں کو حاصل کرنا پڑے گا۔“

چند دن ہی گزرے تھے کہ آپ کے ایک دوست آگئے، انہوں نے دروازے پر دستک دی اور کہا: ابوالحسن مرادی آیا ہے!

ابا جان آئے، ان سے ملے اور گھر لے آئے۔ وہ ہمارے پاس کتابوں سے بھرے چارٹو کرے لائے۔ ابا جان کی خوشی دیدنی تھی۔ جن کتب کا آپ سماع کر چکے تھے انہیں آپ نے بغیر سفری تھکاوٹ کے پالیا تھا۔ اس پر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ آپ فوراً ان کتابوں کی املاء کرنے اور کروانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور انہیں مکمل کر کے چھوڑا۔ جیسے ہی کوئی جزو مکمل ہوتا تھا، ابا جان یوں محسوس کرتے تھے جیسے دنیا کی بادشاہت مل گئی۔ رحمہ اللہ

تعالیٰ و رضی عنہ. (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۷/۲۱۵)

یہ نابغہ روزگار حافظ ابن عساکر دمشقی کی سیرت کے چند گوشے تھے۔ جن میں آپ نے حیران کن عجائب دیکھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر آپ اپنے اوقات کی پابندی نہ کرتے، اپنے لمحات کو قیمتی نہ بناتے تو اتنی ضخیم اور شاندار تصانیف معرض وجود میں نہ آ پاتیں کہ آج علمی اکیڈمیاں ان جیسی کتابیں تیار کرنا تو درکنار، انہیں چھاپنے سے بھی قاصر ہیں۔ حفاظت وقت درحقیقت برکات و خیرات کا خزانہ ہے۔

ہر کام کو اس کے مناسب وقت میں کیجیے

وقت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کے لیے مناسب وقت کو دیکھنا چاہیے اور پھر اسی وقت میں اس کام کو کیا جائے۔

کچھ علمی کام ایسے ہیں جو ہلکے پھلکے اور آسان ہوتے ہیں انہیں ہر وقت میں کیا جا سکتا ہے۔ جیسے لکھائی، ہلکا پلکا اور سرسری مطالعہ۔ ان میں ذہن خالی کر کے گہرے تفکر اور چستی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اور کچھ علمی کام ایسے ہیں، جنہیں مکمل طور پر اسی وقت پایہ تکمیل کو پہنچایا جا سکتا ہے، جب ذہن خالی ہو اور مکمل چستی ہو۔ جیسے سحری، فجر اور صبح کا وقت، اسی طرح ابتدائی رات سے تہائی رات تک کا وقت جس میں مکمل سکون ہو۔ ایسے اوقات میں سکون کے ساتھ ساتھ برکت بھی بھر پور ہوتی ہے۔

بنی نوع انسانیت کے عظیم فلسفی و مفکر امام خلیل بن احمد فراہیدی کہتے ہیں:

اصفی ما یكون ذهن الانسان فی وقت السحر.

انسانی ذہن سحری کے وقت سب سے زیادہ خالی ہوتا ہے۔ (یعنی مکمل طور پر پرسکون ہوتا ہے)۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں:

کسی کا قول ہے:

اذا كان وجه السحر، فاقرع علي بابي حتى تعرف موضع رأبي.
جب سحر کی پو پھوٹ رہی ہو، اس وقت میرے دروازے پر دستک دینا اور میری رائے معلوم کرنا۔ (اساس البلاغة، در بحث لفظ "وضع")
مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام خلیل اور زمخشری کی سحری اور فجر کے وقت کے بارے میں یہ رائے ان لوگوں کے بارے میں تھی، یہ اوقات ان کے لیے واقعتاً عقلی چستی اور جسمانی راحت کے تھے۔ لیکن آج حالات بدل چکے ہیں، یہ اوقات اب اکثر لوگوں کے لیے نیند اور سستی کی وجہ سے بڑے بوجھل ہیں۔ اب یہ اکثر لوگوں کے لیے پرسکون نہیں رہے، ان میں اب وہ بادنسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے ان کے لیے ختم ہو چکے۔

امام وادیب ابوعلی حسن ابن رشیق قیروانی اپنی کتاب "العمدة فی محاسن الشعر و آدابہ و نقدہ" میں "شعر کہنے اور اس کے لیے ذہن کو تیار کرنے" کے تحت

بڑی عمدہ بات کہتے ہیں، جس سے طالب علم مشکل مسائل کو حل کرنے اور چیزوں کو زبانی یاد کرنے میں استفادہ کر سکتا ہے، فرماتے ہیں:

کمر کے بل چت لیٹنا فکری سکون پیدا کرتا ہے، صبح سحری کے وقت کام کرنا فکر کے بند درپچوں کو جس طرح کھولتا ہے اس کا مثل کوئی وقت نہیں۔ اس وقت انسان نیند سے اٹھتا ہے اور نفس اور فکر بھر پور مجتمع ہوتے ہیں، اسباب لہو و لعب اور معاش کے تھکا دینے والے پھندوں سے وہ بالکل آزاد ہوتا ہے۔ اس میں نشأۃ ثانیہ کے مثل استراحتِ جدید ہوتی ہے، کیونکہ سحری کے وقت باد نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے ہوتے ہیں اور یہ رات اور دن کا سب سے معتدل وقت ہے۔

عشاء (شام) کا وقت سحر کا مثل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ رات کا ابتدائی وقت بھی دن اور رات کا متوسط وقت ہے۔ کیونکہ شام کے وقت تاریکی دن کے نور کو چھٹا رہی ہوتی ہے، جبکہ سحری کے وقت اس کے برعکس روشنی صبح رات کی تاریکی پر غالب آ رہی ہوتی ہے۔ شام کے وقت دن بھر کے کام کاج سے نفس تھک کر چور ہوتا ہے اور نیند کا سہارا لینے کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔ لہذا جو آدمی شعر کہنا چاہتا ہے، یا کوئی تصنیفی اور تخلیقی کام کرنا چاہتا ہے یا پیچیدہ مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے سحری کا وقت بہترین ہے۔ اور جو مطالعہ کرنا اور زبانی یاد کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے رات بہتر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلاً﴾ (سورۃ مزمل: ۶)
 ”بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔“

(العمدة فی محاسن الشعر و أدبه و نقده: ۲۰۸/۱)

پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل کرنے اور اشیاء کو زبانی یاد کرنے کے لیے ان مبارک اور قیمتی اوقات کو غنیمت جاننا چاہئے اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

حفظ کے لیے بہترین وقت اور جگہ

حفظ کے لیے بہترین اوقات اور جگہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ خطیب بغدادی "الفقیہ والمتفقہ" میں لکھتے ہیں:

حفظ کے لیے کچھ اوقات مقرر ہیں، جو شخص مستقل طور پر کوئی چیز حفظ کرنا چاہتا ہو اس کے لیے ایسے اوقات کی پابندی بہت ضروری ہے۔ اسی طرح حفظ کے لیے مناسب جگہیں بھی ہیں، جن کی رعایت بھی بہت ضروری ہے۔

بہترین اوقات یہ ہیں:

سحری کا وقت

پھر نصف نہار کا وقت

پھر طلوع فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت

شام (مغرب کے بعد سے لے کر مکمل اندھیرا ہونے) کا وقت بھی مناسب ہے۔

رات کو یاد کرنا دن کو یاد کرنے سے بہتر ہے۔

بھرے ہوئے پیٹ کی نسبت خالی پیٹ (بھوک کی حالت میں) یاد کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جب بھوک زیادہ لگے تو ہلکا پھلکا کچھ کھا لیا جائے، کیونکہ بعض لوگ بھوک کی شدت کے وقت کچھ بھی یاد نہیں کر پاتے۔ لہذا ہلکا پلکا کچھ کھا لینا چاہیے، زیادہ کھانے سے گریز بہتر ہے۔

حفظ کے لیے بہترین جگہیں درج ذیل ہیں:

بالا خانے نہ کہ زیریں خانے۔

ہر وہ جگہ جو ذہن کو دیگر کاموں میں نہ الجھائے اور ایسی بے چینی نہ ہو جو دل کو

مشغول رکھے، یا ذہن پر چھا جائے۔

یہ بھی مناسب نہیں کہ انسان سرسبز جگہ بیٹھ کر یاد کرے۔

نہروں کے کنارے بھی بیٹھ کر یاد نہ کیا جائے۔

نہ ہی راستوں کے درمیان۔

کیونکہ ایسی جگہوں میں ذہنی سکون کم ہوتا ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ: ۱۰۳/۲)

مصنف فرماتے ہیں:

خطیب بغدادی نے جگہوں کی بابت جو رائے ذکر کی ہے شیخ ابونصر فارابی

(۲۶۰ھ-۳۳۹ھ)۔ جو کہ عظیم مسلم فلسفی ہیں۔ کی عادت اس کے برعکس

تھی، قاضی ابن خلکان نے لکھا ہے:

آپ تن تنہا رہا کرتے تھے، کسی کے ساتھ مصاحبت اختیار نہ فرماتے، جتنا

عرصہ دمشق میں رہے عموماً پانی کے پاس یا باغات کے جھنڈ میں بیٹھ کر کتب

لکھتے رہے، لوگ انہیں باری باری ملنے آتے تھے۔ (یعنی اگر کوئی ملنا چاہتا تو

سرسری ملاقات کے لیے فرداً فرداً موقع پاتا)۔ (وفیات الاعیان: ۱۵۶/۵)

شور والی جگہ سے اجتناب

طلبہ علم کے لیے مناسب یہ ہے کہ شور و غوغا اور لوگوں سے ہٹ کر خلوت

اختیار کریں۔ کیونکہ خلوت ذہنی یکسوئی اور صفائے ذہنی میں معاون ہے۔ اور جب ذہن

خالی ہوتا ہے تو فہم درست رہتی ہے۔ کیونکہ طلب علم میزان عقل سے ہوتی ہے اور یہ

میزان عقل انتہائی لطیف ہے۔ انسانی عقل معمولی سی رکاوٹ اور دھیان بٹنے والی چیز

سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اور راہ مستقیم سے ہٹ جاتی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے

ضروری ہے کہ دقیق اور علمی مسائل کے حصول کے لیے وقت اور جگہ کا لحاظ رکھا جائے

تا کہ سمجھ بھی مکمل طرح آئے اور فہم میں صحت بھی ہو۔

امام، محدث، فقیہ، ادیب ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی بستی (۳۱۹ھ-۳۸۸ھ)

فرماتے ہیں:

إذا ما خلوت صفا ذہنی و عارضنی
خواطر کطراز البرق فی الظلم
وان تو الی صیاح الناعقین علی
أذنی عرتنی منه حکلة العجم

”جب میں خلوت پاتا ہوں تو میرا ذہن خالی ہو جاتا ہے اور افکار یوں ترتیب سے آتے ہیں جیسے تاریکی میں بجلی منظم انداز میں دکھتی ہے۔ اور اگر چیخنے والوں کی چیخ و پکار میرے کانوں پر مسلسل پڑتی رہے تو میری زبان ہلکانے لگتی ہے اور گونگی ہو جاتی ہے۔“

(یتیمۃ الدھر للثعالبی: ۳۸۵/۴)

بعض علمی باتوں کا فائدہ کم ہوتا ہے۔ ان کا حاصل کرنا کمال علم کی علامت ہے جبکہ عدم حصول کسی کمی کا پیش خیمہ نہیں۔ ان کا نفع کم ہوتا ہے اور ضرورت بھی کم پیش آتی ہے۔ ایسی چیزوں میں وقت خرچ کرنا اور ذہن کو لگائے رکھنا مناسب نہیں۔ کیونکہ عبث چیز میں مشغولیت دراصل افضل اور اہم چیز کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ زائد چیز میں وقت اور جسمانی چستی خرچ کرنا انسان کو مقصود تک پہنچنے سے روک دیتا ہے۔
صالح بن عبدالقدوس کہتے ہیں:

وإذا طلبت العلم فاعلم انه

حمل فابصرای شئی تحمل

وإذا علمت بأنه متفاضل

فاشغل فزادك بالذی هو افضل

”علم حاصل کرتے ہوئے یہ جان لو کہ علم ایک بوجھ کی مانند ہے، لہذا پہلے دیکھ بھال لو کہ کیا چیز اٹھانے لگے ہو! اور جب کسی چیز کا پتہ چل جائے کہ زائد از ضرورت ہے تو دل کو بہتر کام میں لگاؤ اور اس سے

دور رہو۔“ (لسان المیزان، حافظ ابن حجر: ۱۷۲/۳)

عقل مند کو چاہیے کہ ذہنی طاقت اور قیمتی لمحات کو افضل اور محمود علم حاصل کرنے میں خرچ کرے تاکہ بھرپور فائدہ حاصل کیا جاسکے۔

سستی کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

شیخ ابوہلال عسکری ”الحث علی طلب العلم“ میں لکھتے ہیں:

ابن جر و موصلی فرماتے ہیں:

جب سستی چھانے لگے تو سبق کو پیچھے چھوڑ کر قصے کہانیوں میں اور شعر و شاعری میں لگ جائے۔

ابن المرائی فرماتے ہیں:

ينبغي أن يخادع الإنسان نفسه في الدرس.

دوران مطالعہ اگر سستی ہو جائے تو انسان اپنے دل کو کسی اور کام کے ذریعے

بہلائے۔ (الحث علی طلب العلم: ص ۲۶)

مطلب یہ ہے کہ جب بوریت ہونے لگے اور طبیعت سست پڑ جائے تو

اسے خوش آمدید کہنا اور مطالعہ چھوڑ دینا مناسب نہیں بلکہ اس شے کا علاج کرنا

چاہیے اور اس پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ سستی چھٹ جائے اور دوبارہ

چستی ہاتھ آئے۔

اس چستی کو درج ذیل طریقوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے:

کوئی گوند (آج کل کے دور میں کوئی چیونٹم وغیرہ جو مضر صحت نہ ہو) وغیرہ

چبا کر۔

اگر کسی چھت تلے ہوں تو تھوڑی دیر کے لیے کھلی فضا میں نکل جائیں۔

ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں چلے جائیں۔

گرم یا ٹھنڈے پانی سے ہلکا پھلکا غسل کریں۔

- کوئی ہلکا پھلکا مشروب تناول فرمائیں۔
- یا کوئی چیز کھالیں۔
- کسی دوست کے ساتھ تھوڑی دیر گپ شپ کر لیں۔
- کوئی شعر پڑھ لیں۔
- بلند آواز میں تلاوت قرآن کر لیں۔
- بیٹھنے کی ہیئت بدل لیں۔
- تھوڑا سا چل لیں۔
- کتاب یا موضوع بدل لیں۔

یا اس طرح کا کوئی اور کام کر لیں جو سستی کو ختم کر دے۔ دراصل ہر جسم کا اپنا علاج ہوتا ہے۔ کوئی جسم کسی چیز سے اور کوئی کسی چیز سے چستی پکڑتا ہے۔ عقلمند سے یہ بات پوشیدہ نہیں!

اہم کام پہلے نمٹائیے!

حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والعلم كالبحار المتعذر كيلها، والمعادن التي لا ينقطع نيلها، فاشتغل بالمهم منه، فإنه من شغل نفسه بغير المهم، أضر بالمهم.

علم کی مثال سمندر کی سی ہے جس کا ناپنا ناممکن ہے۔ اور معادن جیسی ہے جن سے مسلسل خزانہ حاصل ہوتا رہتا ہے۔ لہذا اہم کام میں مشغولیت اپنائیے کیونکہ جو آدمی غیر اہم میں مصروف ہو جاتا ہے، اہم اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

ہارون الرشید اور اس کے بعد مأمون کے مصاحب رہنے والے، انتہائی ذہین و فطین شاعر و عالم شیخ عباس بن حسن علوی نے بھی اپنی قیمتی نصیحت میں اس بات کا

ذکر کیا ہے۔ اس نصیحت میں فکر کی گہرائی اور بیان کی تاثیر اس قدر ہے کہ اسے ذکر کرنا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ آپ ہر چیز کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو لہذا اپنے آپ کو صرف اہم کاموں کے لیے فارغ کیجیے۔ یوں سمجھئے کہ آپ کا مال سب کے لیے کافی نہیں ہو سکتا کہ وہ سب کی ضرورت کو پورا کر دے بلکہ آپ کو حق دار مخصوص کرنے پڑتے ہیں۔ آپ کی سخاوت سب کے لیے عام نہیں ہو سکتی، صاحب کمال و فضیلت کو مخصوص کرنا پڑتا ہے۔ آپ اگر دن رات جانفشانی سے کام کرتے رہیں پھر بھی آپ کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اپنے کاموں کو تقسیم کریں، کچھ کو اپنائیں اور کچھ کو چھوڑیں۔

اس لیے کہ جس قدر آپ غیر اہم میں پڑے رہیں گے اسی قدر اہم کام کا

خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ میں لکھا ہے:

آپ کا تعلق مدینے سے تھا، ہارون الرشید کے زمانے میں بغداد آگئے اور اس کے مصاحب بن گئے۔ ہارون کے بعد مامون کے دربار میں رہے۔ قادر الکلام شاعر اور عالم تھے، عبد اللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ ایک دن آپ مامون کے دروازے پر آئے۔ دربان نے آپ کو دیکھ کر نظریں چرائیں۔ آپ نے کہا:

اگر اجازت ملے گی تو اندر چلے جائیں گے، اگر معذرت کر لی جائے گی تو قبول کر لیں گے اور اگر واپس بھیج دیا جائے گا تو چلے جائیں گے، لیکن یہ دیکھ کر پھر نظریں چرانا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر یہ شعر پڑھا:

وما عن رضا كان الحمار مطیتی

ولكن من یمشی سیرضی بماركب

”میں نے خوشی سے گدھے کی سواری نہیں اپنا رکھی بلکہ بات یہ ہے کہ پیدل سوار کو جو

سواری بھی مل جائے اسے قبول کر لیتا ہے۔“

اس کے بعد خطیب نے آپ کی یہ نصیحت نقل کی ہے۔ (۲۱۶/۱۲)

Marfat.com

نقصان کریں گے۔ جتنا مال فضول اڑائیں گے اسی قدر راہ حق میں خرچ کرنے سے نقصان اٹھائیں گے۔ گھٹیا لوگوں کے ساتھ جتنی شرافت اپنائیں گے اسی قدر احباب و قار سے حسن سلوک کرنے سے کوتاہ ہو جائیں گے۔ دن رات کے جتنے لمحات فضول کام میں خرچ کریں گے اسی قدر ضروری کاموں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

یہ وقت کے قدردان علماء کے قیمتی لمحات کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ جسے میں نے اختصار کے ساتھ ضبط تحریر کیا ہے۔ یقیناً یہ لوگ نہ صرف تاریخ اسلامی کے لیے قابل فخر ہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے فخر کا باعث ہیں۔

اولئك قوم شيد الله فخرهم

فما فوقه فخر وان عظم الفخر

”ان لوگوں کو اللہ پاک نے فخر کی ایسی بلندیوں پر پہنچایا ہے جن سے بالا کوئی منزل نہیں اگرچہ فخر کی اپنی ہی عظمت ہے۔“

اتنا کچھ جان لینے کے بعد اب ہمارے قارئین کو یہ جان کر یا سن کر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ فلاں عالم کی سو سے زائد کتابیں ہیں اور ہر علم میں بڑا حصہ ہے۔ کیونکہ یہ سب وقت کی قدردانی کی وجہ سے ہے۔ وقت کو غفلت کی نذر کر دینے سے گریز کرنا اور لمحات زندگی کی طرف لپک کر انہیں قیمتی بنانا ہی اس کامیابی کا راز ہے۔ جس کامیابی کی باقیات یہ ہیں:

100:50 یا زائد کتب کے مصنفین

استاذ جمیل العظم دمشقی (متوفی: ۱۳۵۲ھ) نے اس نام ”عقود الجواهر فی تراجم من لهم خمسون تصنیفاً فمئة فأكثر“ سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں کثیر تعداد میں ان علماء کا تذکرہ کیا ہے جو کثرت تصانیف کے اعتبار سے شہرت رکھتے ہیں۔

۱ حاشیہ: اس کا صرف پہلا حصہ بیروت میں ۱۳۲۶ھ میں چھپا۔

ان فاضل علماء کے حالات پر ہر وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور ان کے حالات قاری کی زندگی کا رخ بدل سکتے ہیں۔ یہ آپ کو اس قدر باہمت بنا سکتے ہیں کہ آپ بھی فکر کی جولان گاہوں سے تیس، چالیس، پچاس یا زائد جواہرات لاسکیں۔

ويزيد الله في الخلق ما يشاء ويختص برحمته من
يشاء، والله واسع عليم

وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیا کچھ درکار ہے؟

حصول علم کا اہل بننے اور علمی وثوق پیدا کرنے کے خواہش مند طالب علم کے لیے حفاظت وقت کے حوالے سے نرہ قدیم سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ

○ وہ تیز لکھتا ہو

○ تیز پڑھتا ہو

○ تیز چلتا ہو۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہروی انصاری حنبلی (متوفی: ۴۸۱ھ) کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے کہ حافظ محمد بن طاہر مقدسی، شیخ ابو اسماعیل انصاری کا قول نقل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

المحدث يجب أن يكون سريع المشي، سريع الكتابة، سريع القراءة.

محدث کے لیے ضروری ہے کہ وہ تیز چلتا ہو، تیز لکھتا اور پڑھتا ہو۔

(ذیل طبقات الحنابلہ: ۵۹/۱)

تیز رفتاری اس لیے ضروری ہے تاکہ کم وقت میں شیوخ کے پاس آ جا کر علم حاصل کر سکے، تیز لکھنا اور پڑھنا اس لیے ضروری ہے تاکہ مختصر وقت میں دیگر امور سرانجام دے سکے اور زیادہ علمی ترقی کر سکے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کی وجہ سے کم عرصے میں زیادہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔



میں اس پر ایک چوتھی چیز کا بھی اضافہ کرتا ہوں:

○ وہ یہ ہے کہ جلدی کھانا کھاتا ہو۔

کیونکہ اگر سست روی سے کھانا کھاتا ہوگا اور کھانے پہ فریفتہ رہتا ہوگا تو تیز چل کر از تیز لکھ پڑھ کر جتنا وقت بچائے گا وہ سارا کھانے میں خرچ کر ڈالے گا۔ اور یوں وقت کا اچھا استعمال نہیں رہے گا۔ اور نصیحت پر عمل کرنے کا حق ادا نہیں کر پائے گا۔

قاضی عیاض "کتاب الشفاء بتعريف حقوق المصطفى" میں باب ثانی کی ساتویں فصل میں رقم طراز ہیں:

اہل عرب اور حکماء ہمیشہ سے قلت غذا اور قلت نوم پر فخر کرتے چلے آئے ہیں اور ان دونوں چیزوں کی کثرت ہمیشہ سے مذموم رہی ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانا اور پینا حرص اور ندیدہ پن کی علامت ہے۔ یہ جسم کی بیماریوں کو دعوت دیتے ہیں، طبیعت کو بوجھل اور دماغ و افکار کو پراگندہ کر دیتے ہیں۔ جبکہ کم کھانا، پینا، قناعت اور حفاظت نفس کا سنگ میل ہے۔ یہ تندرستی، افکار کی عمدگی اور زکاوت ذہنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

جبکہ نیند کی کثرت لاغر اور بے کار بنا دیتی ہے۔ جو انسان کو سست، سخت دل اور غافل بنا کر موت کے منہ میں دھکیل دیتی ہے۔ اور زندگی کو فضول کام میں ضائع کر دیتی ہے۔ اور نیند کی کثرت زیادہ کھانے اور پینے سے ہی ہوتی ہے۔

حضرت لقمان کے نصائح میں ہے:

يابني، إذا امتلأت المعدة نامت الفكرة، وخرست الحكمة،
وقعدت الأعضاء عن العبادة.

"میرے بیٹے! جب معدہ کھانے سے بھرا ہوتا ہے تو فکر انسانی سوجاتی ہے، حکمت اپنی زبان کھو ڈالتی ہے، اور اعضاء عبادت سے عاجز ہو جاتے ہیں۔"

سفیان ثوری فرماتے ہیں:

بقلة الطعام يملك سهر الليل.

”شب بیداری کی نعمت کم کھانے سے ہی ملتی ہے۔“
حضرت خون فرماتے ہیں:

لا يصلح العلم لمن يأكل حتى يشبع.
”جو پیٹ بھر کر کھانا کھائے وہ علم کے قابل نہیں رہتا۔“ (کتاب الشفاء: ۱۰۹/۱)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إياكم والبطنة، فإنها مكسلة عن الصلاة، مفسدة للجسم، مؤدية إلى السقم، وعليكم بالقصد في قوتكم فهو أبعد من السرف، وأصح للبدن، وأقوى على العبادة، وإن العبد لن يهلك حتى يؤثر شهوته على دينه.

”بسیار خوری سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ نماز میں کوتاہی اور جسم میں خرابی کا باعث ہے۔ یہ بیمار کر دیتی ہے۔ اپنی غذا میں میانہ روی اختیار کرو۔ یہ فضول خرچی سے نجات، بدن کی حفاظت اور عبادت میں طاقت کا باعث ہے۔ یاد رکھو! بندہ جب تک اپنی خواہشات کو دین پر ترجیح نہیں دیتا ہرگز ہلاک نہیں ہوتا۔“

بقدر ضرورت..... کھانا پینا اور آرام

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عظیم و ضخیم کتاب ”المجموع“ میں لکھتے ہیں:
وينبغي أن يكون حريصاً على التعلم، مواظباً عليه في جميع أوقاته ليلاً ونهاراً، حضراً وسفراً، ولا يذهب من أوقاته شيئاً في غير العلم، إلا بقدر الضرورة، لأكلٍ ونومٍ قدرًا لا بد منه، ونحوهما كاستراحةٍ يسيرةٍ لإزالة الملل، وشبه ذلك من الضروريات.

”طالب علم کو حصول علم کا مشتاق ہونا چاہیے۔ دن ہو یا رات، حضر ہو یا سفر، ہر وقت اسے پابندی وقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ علمی کام کے علاوہ کسی اور چیز میں وقت ضائع نہ کرے۔ حتیٰ کہ کھانے اور سونے کے لیے بھی بقدر ضرورت وقت

خرچ کرے۔ سستی ختم کرنے کے لیے بھی ہلکی پھلکی استراحت کرے۔ اس

جیسے دیگر امور میں ضرورت کے بقدر ہی وقت لگائے۔“ (المجموع: ۶۸/۱)

گزشتہ صفحات میں شیخ ابو الوفاء بن عقیل حنبلی کے واقعات میں ان کے یہ

الفاظ گزرے ہیں:

وَأَنَا أَقْصِرُ بِغَايَةِ جَهْدِي أَوْقَاتِ أَكْلِي، حَتَّى أُخْتَارُ سَفَ الْكَعْكَ

وَتَحْسِيهِ بِالْمَاءِ عَلَى النَّخْبِزِ، لِأَجْلِ مَا بَيْنَهُمَا مِنْ تَفَاوُتِ الْمَضْغِ،

تَوْفِرًا عَلَى مَطَالَعَةِ، تَسْطِيرِ فَائِدَةٍ لَمْ أُدْرِكْهَا فِيهِ، وَإِنْ أَجَلَ

تَحْصِيلِ عِنْدَ الْعُقَلَاءِ، بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ: هُوَ الْوَقْتُ فَهُوَ غَنِيمَةٌ

تَنْتَهَزُ فِيهَا الْفُرْصَ، فَالْتِكَالِيفُ كَثِيرَةٌ، وَالْأَوْقَاتُ خَاطِفَةٌ.

”کھانے کے وقت میں میں بھرپور کوشش کرتا ہوں کہ کم سے کم وقت صرف

کروں۔ میں روٹی پر کیک کے چورے کو پانی کے ساتھ پھانکنے پر ترجیح دیتا

ہوں۔ کیونکہ ان دونوں کے چبانے کے وقت میں کافی فرق ہے۔ یوں میں

مطالعے اور دیگر فوائد کے لیے بھرپور وقت پالیتا ہوں۔ کیونکہ علماء اور عقل

دانوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ سب سے قیمتی چیز وقت ہے، جس میں

فرصت کے لمحات کو غنیمت جاننا چاہیے۔ کیونکہ زندگی کی ذمہ داریاں بہت

ہیں اور اوقات تیزی سے نکلتے جا رہے ہیں۔“

حافظ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دو بڑے عمدہ اشعار میں طالب علم کی ضروریات کا

ذکر کرتے ہوئے تیز کھانے، تیز چلنے اور تیز لکھنے کا ذکر کیا ہے تاکہ وقت کو قیمتی بنایا

جاسکے، فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا شَيْخُنَا الْكِنَانِيُّ عَنْ أَبِيهِ صَاحِبِ الْخَطَابَةِ

أَسْرَعَ أَخَا الْعِلْمِ فِي ثَلَاثِ الْأَكْلِ وَالْمَشْيِ وَالْكِتَابَةِ

”قاضی القضاة عزالدین احمد بن ابراہیم کنانی مصری حنبلی اپنے

والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ طلبہ علم! تین چیزوں میں سرعت

اختیار کرو: کھانے، چلنے اور لکھنے میں۔“

گیا وقت ہاتھ نہیں آتا

فاضل بھائی! عقل مند و ذہین بھائی! آپ کے لیے اپنے وقت کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اپنے وقت کو بے کار ضائع ہونے سے بچائیے! کیونکہ زمانے کے جس حصے میں آپ زندگی بسر کر رہے ہیں وہ جلد گزر جانے والا ہے، اس نے لوٹ کر نہیں آنا۔ کسی نے کیا خوب کہا:

ما مضی فات والمؤمل غیب ولك الساعة التي أنت فيها
 ”جو وقت گزر چکا سو وہ گزر چکا، جس زمانے کی آمد متوقع ہے وہ
 منظر سے غائب ہے، آپ کے لیے وہی وقت کارآمد ہے جس
 میں آپ ہیں۔“

سو انسان کو اپنے اعمال اور اوقات کی تنظیم کرنی چاہیے اور انہیں قیمتی بنانا چاہیے۔ چاہے آپ طالب علم ہوں یا معلم یا مؤلف یا مطالعہ کر رہے ہوں یا علمی گفتگو سن رہے ہوں یا تلاوت کر رہے ہوں یا عبادت کر رہے ہوں، غرضیکہ ہر حال میں تنظیم اوقات بے حد ضروری ہے۔ وقت کو ضائع کر کے اپنی جان پر ظلم نہ کیجیے، زندگی کے قیمتی لمحات کو تباہ و برباد نہ کیجیے! زندگی میں نقصان نہ اٹھائیے! کہیں ایسا نہ ہو کہ آرام اور سستی کے مشاق بن کر فضیلت اور مناقب کے حصول سے کنارہ کش ہو جائیں۔
 طے ہو رہی ہے منزل چونکہ وقت کم ہے
 ملک فنا کی جانب ہر سانس ایک قدم ہے

سستی زہر قاتل ہے

امام و مربی ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ”لفتة الكبد فی نصیحة الولد“ میں فرماتے ہیں:

حصول فضائل میں سستی اپنا نا بدترین رفیق ہے، آرام پسندی پشیمانی کا سبب بنتی ہے جو ہر لذت پر چھا جاتی ہے، چوکنے ہو جائیے اور نفس کو کھپائیے! جو کمی

کو تا ہی ہو گئی اس پر کف افسوس ملیے! وقت کے لمحات سے فرصت اٹھاتے ہو۔۔۔ کالمین کے روبرو ہونے کی کوشش کیجیے، ٹہنی میں جب تک تری ہے سیراب کیجیے، جو لمحہ زندگی فوت ہو چکا اسے یاد کیجیے، عبرت کے لیے یہی کافی ہے، یہ سستی کی لذت کو ختم کر دے گا تصور کریں کہ فضائل کے مراتب ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔

بسا اوقات ہمتیں پست ہو جاتی ہیں اور جب انہیں برا بیچتے کیا جائے تو چل پڑتی ہیں، یاد رکھیے! ہمتیں صرف گھٹیا پن کی وجہ سے ست پڑتی ہیں۔ جب بلند عزمی پیدا ہو جاتی ہے تو کم پراکتفا نہیں ہوتا۔

إذا ما علا المرء رام العلا

ويقنع بالدون من كان دوناً

”بلند انسان کے ارادے بھی بلند ہوتے ہیں اور گھٹیا شخص گھٹیا پن

پہ ہی اکتفا کرتا ہے۔“

گو منزل حیات بہت دور تھی مگر

دیکھا جو میرا عزم تو رستہ سمٹ گیا

یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ طلب فضائل انتہائے مقصود ہے اور فضائل بھی مرتبے کے اعتبار سے متفاوت ہیں۔ کسی کے نزدیک فضیلت کا مقام دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا ہے اور کسی کے نزدیک عبادت میں مشغولیت کو اپنانا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ کامل فضیلت صرف علم اور عمل کو جمع کرنے سے ہی ہے۔ یہ دونوں حاصل ہو جائیں تو سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ انتہائے مقصود یہی ہیں۔ اصحاب عزیمت کی استطاعت کے مطابق ہی عزام ہوتے ہیں۔ آپ کی بلند ہمتی کمال کو پہنچنی چاہیے کیونکہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد زہد میں مشغول ہے اور ایک بڑی تعداد علمی مشغولیت کو اپنائے ہوئے ہے جبکہ بہت کم لوگ کامل علم و عمل کے حامل ہیں۔

ایسا نہیں کہ انسان جس چیز کا ارادہ کرے اسے پا بھی لے، اور نہ ہی ہر اچھے کام کو شروع کرنے والا اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے والا بھی ہوتا ہے اور نہ ہی انسان ہر اس چیز کو پانے میں کامیاب ہو پاتا ہے جس کا وہ متمنی ہوتا ہے۔ ابو الطیب نے کیا خوب کہا:

وما كل هاو للجميل بفاعل ولا كل فعال له بتمام
 ”ہر اچھی چیز کا متمنی لازمی نہیں کہ اسے پالے اور نہ ہی ہر اچھے کام کا آغاز کرنے والا اسے پایہ تکمیل کو بھی پہنچا دے۔“
 لیکن انسان کے ذمے کوشش کرنا ہے۔ ہر انسان کے لیے اس کا مقدر آسان کر دیا گیا ہے۔ واللہ المستعان سبحانہ۔

وقت کو قیمتی بنانے میں سب سے اہم معاون چیزیں یہ ہیں:

اعمال کی تنظیم، فضول امور اور فضول مجالس سے کنارہ کشی، وقت سے چوکنے

رہنا، ذہن و مہنتی لوگوں کی مصاحبت، عظیم علماء کے حالات پڑھنا جیسے علماء کے حالات پیچھے گزرے ہیں، علمی ترقی کرنے میں وقت کو قیمتی بنانے سے محفوظ ہونا اور معلومات و مطالعے میں ہر لمحہ ڈوبے رہنا اور اضافہ کرنا۔

یہ سب چیزیں آپ کو وقت کی قدر و قیمت سے آگاہ کریں گی، آپ میں حفاظت وقت کا جذبہ پیدا کریں گی اور آپ کو وقت کا قدر دان بنا کر ضیاع وقت سے محفوظ رکھیں گی۔

الوقت هو الحياة

خیر خواہ مرشد شیخ استاذ حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

من عرف حق الوقت، فقد أدرك الحياة، فالوقت هو الحياة.
 ”جس نے وقت کی قدر و قیمت کو جان لیا اس نے زندگی کی حقیقت کا ادراک کر لیا، کیونکہ وقت ہی زندگی ہے۔“

قاضی ابن خلکان نے ادیب، شاعر اور فقیہ عمارہ یمنی (متوفی: ۵۶۹ھ) کے

حالات زندگی کے ذیل میں ان کے قصیدے کے اشعار ذکر کیے ہیں:

إذا كان رأس المال عمرك فاحترز

عليه من الإنفاق في غير واجب

فبين اختلاف الليل والصبح معرك

يكر علينا جيشه بالعجائب

”جب اصل سرمایہ ہی عمر ہے تو اسے غیر ضروری کاموں میں خرچ

کرنے سے گریز کرو۔ صبح و شام کے آنے جانے میں میدان

جنگ برپا ہے جس کا لشکر عجب حملے کرتا رہتا ہے۔“

مصری ادیب و شاعر احمد شوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دقات قلب المرء قائله له

إن الحياة دقائق و ثوان

فارفع لنفسك بعد موتك ذكرها

فالذكر للإنسان عمر ثاني

”انسان کے دل کی دھڑکن اس سے کہتی ہے: زندگی منٹوں اور

سیکنڈوں کا نام ہے، موت کے بعد اپنا تذکرہ چھوڑ جائیے، کیونکہ

یہی تذکرہ انسان کے لیے ”عمر ثانی“ ہے۔“

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگی صبح و شام

عمر فسانہ ساز گزرتی چلی گئی

جوانی کے لمحات کی حفاظت

حقیقی اور مثالی عمر جوانی کا زمانہ ہے۔ کیونکہ جوانی ہی کچھ پالینے اور کرنے کا

میدان ہے۔ یہی پیداوار کا موسم ہے، اس میں قوت بھر پور، ہمت بلند اور امراض و

رکاوٹیں نادر ہوتی ہیں۔ بصرہ کی جلیل القدر تابعیہ، محدثہ، فقیہہ، اور جلیل القدر تابعی امام

محمد بن سیرین کی ہمشیرہ محترمہ حفصہ بنت سیرین۔ آپ ۱۱ھ میں پیدا ہوئیں اور ۹۰ سال

کی عمر پانچ سو سالوں میں دنیائے فانی سے کوچ فرمائیں۔ فرماتی ہیں:

يا معشر الشباب، خذوا من أنفسكم و أنتم شباب، فإني ما رأيت
العمل إلا في الشباب.

”نوجوانو! ذرا سنبھلو، جوانی کو قیمتی بناؤ، کیونکہ عمل صرف جوانی میں ہی ممکن
ہے!“

(صفة الصفوة، ابن جوزی: ۲۳/۴، تہذیب التہذیب، ابن حجر: ۴۰۹/۱۲)

بے سود ہے اس وقت نیکی کی تمنا
جب نطق و اشارہ کی بھی قوت نہیں رہتی

امام نووی ”المجموع“ کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

وينبغي للمتعلم أن يفتنم التحصيل في وقت الفراغ والنشاط،
و حال الشباب وقوة البدن، ونباهة الخاطر، و قلة الشواغل، قبل
عوارض البطالة.

”طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ فراغت اور چستی، جوانی اور بدن کی
قوت، ذہنی ذکاوت، مشغولیات کی قلت ^{کے} سستی کے عوارض درپیش آنے
سے پہلے پہلے وقت کو قیمتی سمجھ کر تحصیل علم میں لگا رہے۔“ (المجموع: ۶۹/۱)

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی

یہ طویل عمر دن بدن گھٹتی جا رہی ہے۔ کئی بار ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں
کہ یہ تیزی سے گزر جاتی ہے اور واپس بھی نہیں آتی، اور یوں ایام زندگی سے فائدہ
اٹھانے سے غافل ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ زندگی بہت طویل اور ست رو
ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما شبت الشباب إلا بشيءٍ كان في كمي فسقط.

”میرے نزدیک جوانی کی مثال یوں ہے جیسے میرے آستین میں کوئی چیز تھی

اور اچانک کر گئی۔“ (مناقب الامام احمد، ابن جوزی: ص ۱۹۸/۱)

یاد رہے آپ نے زندگی کی ۷۷ بہاریں دیکھیں۔
 جوانی دراز عمر ہو تب بھی مختصر ہے، ایام زندگی طوالت کے باوجود کم ہیں۔
 بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
 درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سرے سے جواں ہو کر
 ضعیفی زور پر آئی، ہوئے بے دست و پا اکبر
 کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

☆☆☆

آتے ہوئے اذان ہوئی اور جاتے ہوئے نماز
 اتنے قلیل وقت میں آئے اور چل دیئے
 کسی نے کیا خوب کہا ہے:

أذان المرء حين الطفل يأتي
 وتأخير الصلاة إلى الممات
 دليل أن محياه يسير
 كما بين الأذان إلى الصلاة

”بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو اذان ہوتی ہے اور موت تک کے
 لیے نماز موخر ہوتی ہے، یہ دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ زندگی
 کا دورانیہ اتنا ہی مختصر ہے جس طرح اذان اور نماز کا درمیانی وقت
 مختصر ہوتا ہے۔“

ایک اور شاعر کہتا ہے:

وما بين ميلاد الفتى ووفاته
 -إذ انصح الأقسام أنفسهم - عمر
 لأن الذي يأتي شبيهه الذي مضى
 وما هو إلا وقتك الضيق النزر
 ”انسان کی پیدائش اور وفات کے درمیان بھی بھلا کوئی ایام زندگی

ہیں! (اگر کوئی سمجھے تو!) کیونکہ آنے والا جانے والے کی طرح ہے، ایام زندگی تو انتہائی معمولی اور قلیل ہیں۔“

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی
ہر چیز ہم نے یہاں آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج طلبہ علم کی صفوں میں ذہنی سستی پھیل چکی ہے۔ محنت، مشقت کی بجائے آرام و سکون ان پر غالب ہے، سیر و تفریح اور دیگر فضولیات زندگی ان کی زندگانی کا مقصد بن چکے ہیں، دنیاوی لذائذ ان کا مقصد حیات ہیں۔ پڑھنے پڑھانے کے لیے اب ان کے پاس وقت نہیں رہا۔ وہ اس بات سے غافل ہو چکے ہیں۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا

سو بار جب عقیق کٹا تب نگین ہوا

لغت کے امام احمد بن فارس فارسی رازی (۳۲۹ھ - ۳۹۵ھ) نے ایسے طلبہ کی حالت کو خوب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

إذا كان يؤذيك حر الصيف

ويبس الخريف وبرد الشتاء

ويلهيك حسن زمان الربيع

فأخذك للعلم قل لي: متى؟! *golden words*

”اگر گرمی کی حرارت، سرما کی ٹھنڈک اور خزاں کی خشکی تجھے

تکلیف دیتی ہیں اور بہار کا حسن تجھے علم سے غافل رکھتا ہے تو تو

مجھے بتا: علم کب حاصل کرے گا!!“ *Jump*

علامہ آلوسی حنفیہ..... وقت شناسی کی مثال

علامہ ابوالمعالی محمود شکر علی آلوسی بغدادی۔ حنفیہ جو کہ ۱۳۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ وقت شناسی اور محنت میں اپنی مثال آپ تھے۔ گرمی کی شدت اور سرما کی تکلیف اور ٹھنڈک انہیں پڑھنے پڑھانے سے نہ روک سکتی تھیں۔ اسباق سے تاخیر پر اپنے شاگردوں کو بہت ڈانٹا کرتے تھے۔

آپ کے شاگرد علامہ بھجہ اثری فرماتے ہیں:

ایک دن سخت آندھی اور موسلا دھار بارش تھی اور کیچڑ بھی بہت تھی، میں نے سوچا کہ آج استاد صاحب نہ آئے ہوں گے، میں بھی مدرسہ حاضر نہ ہوا۔ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تو غصے میں فرمانے لگے:

ولا خیر فیمن عاقه الحر والبرد.

”جسے گرمی اور سردی تحصیل علم سے روک دے اس میں کوئی بھلائی نہیں۔“

(”اتحاف الامجاد فیما یصح بہ الاستشہاد للالوسی محمود حنفیہ“ پر

استاذ عدنان عبدالرحمن دوری کے مقدمے سے ماخوذ: ص ۱۵)

وہ ولولے اب خزانِ پیری میں کہاں

بعض لوگوں کو یہ فکر دھوکہ دیتی ہے کہ مستقبل میں مشغولیات سے فرصت مل جائے گی، رکاوٹیں چھٹ جائیں گی اور جوانی کے گزرے ایام کی نسبت زیادہ فرصت مل جائے گی، لیکن یاد رکھئے برادر عزیز! حقیقت اس کے برعکس ہے، میں قدر شناس کی بات سناتا ہوں:

”جس قدر عمر بڑھے گی اسی قدر مصروفیات اور ذمہ داریاں بڑھیں گی، تعلقات میں اضافہ ہوگا، اوقات تنگی داماں کا شکار ہوں گے، قوت کمزور پڑ جائے گی، یاد رکھیے! بڑھاپے میں وقت تنگ پڑ جاتا ہے۔ جسم کمزور ہو جاتا ہے، صحت کم ہو جاتی ہے، چستی قلیل ہو جاتی ہے اور ذمہ داریاں اور

مصروفیات دو گنی ہو جاتی ہیں۔

ایام زندگی سے فائدہ اٹھائیے یہ گزرتے جا رہے ہیں، نظروں سے اوجھل چیز کے ساتھ دل نہ لگائیے، ہر وقت اپنے اندر اپنی مشغولیات اور امور سموئے ہوئے ہے۔“

مشہور سیاح و محدث ابو محمد جعفر بن محمد عباسی جو بغداد میں پیدا ہوئے اور ۵۹۸ھ میں فوت ہوئے، نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر یہ الفاظ لکھے جائیں:

حوائج لم تقض! و آمالٌ لم تنل! و أنفـس ماتت بحسراتها
 ”ضروریات پوری نہ ہوئیں! امیدیں بر نہ آسکیں! نفوس اپنے پہلو میں حسرتیں لیے ہی مر گئے!“

(”المستفاد من ذیل تاریخ بغداد لابن نجار“ حافظ دمیاطی: ص ۹۶)

اسی مفہوم کو شاعر نے بیان کیا ہے:

ولم يتفق حتى مضى لسبيله
 و كم حسراتٍ في بطون المقابر
 ”ابھی خواہشات پوری نہ ہوئی تھیں کہ انسان راہی سفر آخرت ہو گیا، ان مقابر کے دامن میں کتنی ہی حسرتیں مدفون ہیں!“

غفلت میں گزر گئی جوانی افسوس
 کچھ قدر شباب کی نہ جانی افسوس
 وہ ولولے اب خزاں پیری میں کہاں
 افسوس اے بہار زندگی افسوس

☆☆☆

نہ پوری ہوئیں ہیں امیدیں نہ ہوں
 یوں ہی عمر ساری گزر جائے گی
 خوشی کے ایام کی قلت اور مکارہ کی کثرت کا ذکر ایک شاعر یوں کرتا ہے:

يقولون إن الدهر يومان كله
فيوم مسراتٍ ويوم مكاره
وما صدقوا والدهر يوم مسرةٍ
وأيام مكرهٍ كثير البدائنه

”لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ کے دو ہی دن ہیں، ایک دن خوشی کا ہے اور دوسرا مصائب کا۔ لیکن یہ سچ نہیں، خوشی کا دن ایک ہی ہے، مصیبت اور ناگہانی آفات کے کئی دن ہیں۔“

محنت و مشقت، طاقت و بزرگی اور حصول مقاصد و لذات صرف جوانی میں ممکن ہے، بڑھاپے میں ایسی کوئی صورت ممکن نہیں۔ بڑھاپا امراض اور رکاوٹوں کی تیج ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

إن الشباب الذی مجد عواقبه
فیہ نلذ ولا لذات للشیب

”جوانی جس کا اختتام بزرگی پر ہوتا ہے وہی لذت کی جا ہے،
بڑھاپے میں کوئی لذت نہیں۔“

اثاثہ چھین کر سب لے گئی فصل خزاں

مشہور ادیب ابو عثمان جاحظ کو جب بڑھاپے اور اس کے امراض نے آلیا تو کمزوری اور بڑھاپے کی تکالیف سے کراہتے ہوئے حسرت بھرے لہجے میں یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

أترجوا أن تكون وأنت شيخٌ
كما قد كنت أيام الشباب
لقد كذبتك نفسك ليس ثوبٌ
دریسٌ كالجدید من الثياب

”اگر تو یہ چاہتا ہے کہ بڑھاپے میں بھی تیری حالت جوانی کے
ایام جیسی ہو تو یاد رکھو! تیرا نفس تجھے دھوکہ دے رہا ہے، بھلا بوسیدہ

کپڑائے کپڑے کی طرح ہو سکتا ہے۔“

(تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: ۲۱۹/۱۲)

عقل مند زندگی کے ہر لمحے کو کسی سود مند اور صالح عمل سے قیمتی بناتا رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فراغت، سستی اور وقت کے بے کار ضیاع کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے:

إني لأكره أن أرى أحدكم سهلاً لا في عمل دنيا ولا في عمل
آخرة

”مجھے یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ میں تم میں سے کسی کو فارغ پھرتا دیکھوں،

نہ دنیا کے کسی کام میں مصروف ہونہ آخرت کے کسی امر میں!“

صالح وزیر، علامہ، فقیہ، لاجواب ادیب یحییٰ بن ہبیرہ بغدادی حنبلی (۴۴۹ھ -

۵۶۰ھ) پر اللہ رحم کرے، آپ فرمایا کرتے تھے:

والوقت أنفس ماعنيت بحفظه

وأراه أسهل ماعليك يضيع

”وقت ان چیزوں میں سے سب سے قیمتی چیز ہے جس کی

حفاظت کا آپ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اسے

ضائع کرنا آپ کے لیے سب سے زیادہ آسان ہے۔“

(ذیل طبقات الحنابلہ، حافظ ابن رجب: ۲۸۱/۱)

میری زیت کا کیا حال پوچھتے ہو

تن پیری نہ طفلی نہ اس میں جوانی

جو چند ساعتیں یاد دلبر میں گزریں

وہی ہے وہی میری کل زندگانی

وقت کی قدر و قیمت کے حوالے سے شیخ احمد امین کا قیمتی مضمون

”اوقات الفراغ“ کے نام سے میں نے مصری ادیب احمد امین (متوفی:

۱۳۷۳ھ) کا ایک مضمون ان کی کتاب ”فیض النخاط“ میں دیکھا۔ جسے موقع محل کی مناسبت اور افادہ کی غرض سے اس کتاب کے آخر میں نقل کرتا ہوں (معمولی تصرف اور کمی بیشی کے ساتھ):

فرماتے ہیں:

گھروں میں لاکھوں طلبہ علم ۴ یا ۵ ماہ کی گرمیوں کی چھٹیاں گزار رہے ہیں، کیا کبھی ان کے والدین نے ان سے پوچھا کہ وہ اپنے اس طویل وقت کو کون سی ایسی چیز میں صرف کر رہے ہیں جو جسمانی، عقلی، اخلاقی اور ملکی اعتبار سے ان کے لیے مفید ہے؟ امت کی نصف تعداد کی عورتیں گھروں میں ہیں، وہ فرصت کے لمحات کیسے گزار رہی ہیں؟

مال کمانے، علم حاصل کرنے اور صحت و تندرستی کے حصول کے لیے وقت کی حیثیت خام مال کی سی ہے، ذرا سوچئے! ہم اسے کس قدر ضائع کر رہے ہیں! عمر کا کس قدر حصہ بے کار ضائع ہو رہا ہے؟ نہ کسی دنیاوی کام آ رہا ہے نہ کسی اخروی کام!

وقت ضائع کرنے کے نتیجے میں مالی اعتبار سے بہت سا نقصان ہو رہا ہے، اگر وقت بے کار ضائع نہ کیا جائے اور اس کے استعمال سے ناواقفیت نہ ہو تو اس ضائع ہونے والی دولت کو حاصل کر لیا جائے۔ کتنی ہی بنجر زمینیں ہیں جنہیں آباد کیا جاسکتا ہے، کتنی کمپنیاں بنائی جاسکتی ہیں، کتنی فاؤنڈیشنز اس فراغت کو استعمال کرتے ہوئے قائم کی جاسکتی ہیں اور چلائی جاسکتی ہیں۔

ہماری اس دنیا میں وقت کے ضیاع کا سبب و نتیجہ کتب کی نامقبولیت، ان کا نہ پڑھنا اور جہالت پر راضی ہو رہنا ہے۔ اس دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جن کے لیے جہالت تکلیف دہ چیز نہیں! اس پر مستزاد یہ کہ یہ نفوس دائمی راحت و سکون کے طلبگار ہیں۔ جو حال کتابوں کے ساتھ ہے وہی مالی کیفیت بھی ہے۔ مالی اعتبار سے بھی تھوڑے پر قناعت ہے۔ اسی مزدوری اور نوکری پر عیش کر رہے ہیں جس میں جسمانی اور فکری مشقت کم ہو۔ پھر تھکی ماندی فکر

ہے جو چست و چالاک اجنبی کے لیے راستہ چھوڑے ہوئے ہے جو وقت کا بہتر استعمال جانتا ہے۔

وقت کی حفاظت سے میری مراد یہ نہیں کہ سارا وقت کام کیا جائے اور جینا دو بھر ہو جائے، سکون و آرام نام کی کوئی چیز نہ رہے، زندگی چڑچڑی ہو جائے، مسکراہٹ اور خندہ پیشانی کے نام سے نا آشنا ہو جائے، بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ فراغت کے اوقات کام کے اوقات پر غالب نہ ہوں، فراغت ہی اصل مقصود حیات نہ ہو اور کام کے اوقات اس مقصود اصلی (فراغت) کے حاشیہ نشین بنے ہوں!

بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ فراغت کے لمحات حکم عقلی (کام کے اوقات) کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں، جس طرح ہم کسی مقصود کو پانے کے لیے کام کرتے ہیں اسی طرح فراغت کے لمحات کے پیش نظر بھی کوئی مقصود ہونا چاہیے۔ خواہ کوئی جسمانی فائدہ ہو جیسے مشروع کھیل جن میں ورزش بھی ہو، خواہ علمی تلمذ ہو جیسے علمی مطالعہ، خواہ روحانی غذا ہو جیسے تلاوت قرآن، مطالعہ حدیث اور نفل عبادات۔

اگر مقصود صرف وقت گزارنا (Time Killing) ہو تو یہ کوئی جائز کام نہیں۔ کیونکہ وقت ہی سرچشمہ حیات ہے۔ سو وقت کو ختم کرنا دراصل زندگی کو ختم کرنا ہے۔ جو لوگ فرصت کے طویل لمحات کو شطرنج یا کوئی اور ناجائز کھیل کھیلنے میں صرف کرتے ہیں وہ کسی ایسے مقصود کے لیے یہ عمل نہیں کر رہے جسے عقل قبول کرے، اور جو لوگ قہوہ خانوں، بیٹھکوں اور راستوں میں آوارہ گردی کرتے ہیں وہ تو اس طرح ضیاع وقت کے پیچھے پڑے ہیں جیسے وقت ان کا دشمن ہے۔

اس مشکل کا علاج یہ ہے کہ انسان اس بات کو دل میں بٹھائے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند کو جیسے چاہے بدل سکتا ہے، جیسے چاہے اپنا ذوق بدل سکتا ہے۔ جن چیزوں کا ذائقہ اس نے پہلے کبھی نہیں چکھا وہ اپنے ذوق کو ان کا عادی بنا سکتا

ہے اور جن چیزوں کو وہ پسند کرتا چلا آ رہا ہے اپنے دل میں ان کی نفرت کے بیچ بوسکتا ہے۔ جن کے ارادے مضبوط ہیں وہ سب لوگ اپنے فراغت کے لمحات کو ان چیزوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو صحت، عقل اور دین کے اعتبار سے ان کے لیے مفید ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ کچھ لوگ ہلکے پھلکے واقعات اور گھٹیا رسائل کے پڑھنے کو ہی عقلی غذا کے طور پر کافی سمجھتے ہیں، وہ انہیں ایک ہی نشست میں ہڑپ کر جاتے ہیں اور عقلی تلذذ کے لیے انہی پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ چیزیں درحقیقت عقل کو ماؤف کر دیتی ہیں اور جنسی خواہشات کو ابھارتی ہیں۔ معمولی صبر اور قوتِ ارادی طالب علم کو سنجیدہ اور مفید مطالعہ کے قابل بنا سکتے ہیں۔

ہر مہذب آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے جی میں سنجیدہ چیز کی محبت پروان چڑھے، وہ کسی بھی علمی کام میں مشغولیت اپنانا چاہتا ہے، وہ اپنے مطالعے کو وسعت اور گہرائی دینا چاہتا ہے۔ خواہ ادب ہو، یا حیوانات ہوں، پھول ہوں یا کوئی مشینی کام ہو، انسانی تاریخ کا کوئی باب ہو یا کوئی بھی انسانی علم ہو۔ وہ موضوع کا انتخاب کر کے اپنی رغبت بڑھاتا ہے، پھر یومیہ کوئی حصہ مقرر کر کے اس کے مطالعے کا اہتمام کرتا ہے۔

یوں وہ ایک ممتاز انسان بن جاتا ہے۔ زندگی کے گوشوں میں سے ایک گوشہ اس کے نام ہو جاتا ہے، اس کی شخصیت قابل احترام ہو جاتی ہے اور وہ اپنے لیے اور اپنے شعبے کے دیگر لوگوں کے لیے مفید اور کارآمد بن جاتا ہے۔

انسانیت علوم و معارف اور فنونِ دنیا کی ہر قسم میں اپنے دامن میں رجال سے مالا مال ہے، جن پر وہ زندگی کے ہر شعبے میں اعتماد کرتی ہے۔

انسانوں کی مجالس میں کچھ کی گفتگو اوج ثریا کو پہنچتی ہے، تفکیر کا ستارہ بلند ہوتا ہے، زندگی کا دریچہ روشن ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ علمی پختگی، ادب، رویوں اور وقت شناسی کی بدولت ہوتا ہے۔

یوں تہذیب انسانی ترقی کرتی ہے، عقلیں وسعت پاتی ہیں، زندگی کی قدر و قیمت بڑھتی ہے، طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور معاش کی راہیں آسان اور تابناک ہو جاتی ہیں۔

یہ چیز انسانوں کو اس بات کا شعور دلاتی ہے کہ جس طرح وہ اپنے معدوں کی غذا کی فکر کرتے ہیں اسی طرح عقلی غذا کی بھی فکر کریں۔ جس طرح غذا کے بغیر زندگی معدوم ہے اسی طرح وقت کی حفاظت اور قدر و قیمت کے بغیر غذا کا وجود نہیں۔ جب یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو معاشرہ تفکیر، صنعت، نفع اور پیداوار کے اعتبار سے ترقی پاتا ہے۔

ہمیشہ اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنے کا وطیرہ اپنائیے:
میں نے فراغت کے لمحات میں کیا کام کیا؟
اپنے لیے، یا کسی دوسرے کی صحت، مال یا علم کی بھلائی کے لیے کچھ کیا؟
غور کیجیے!

کیا فراغت کے لمحات حکم عقلی کے تابع رہے؟
یہ آپ کے لیے بہت مفید رہے گا، اگر آپ نے وقت کا صحیح خرچ کیا تو آپ کامیاب ہو گئے۔ اگر نا کام رہے ہیں تو کامیابی کے لیے دوبارہ کوشش کیجیے۔

اخلاق بذی الصبر ان یحظى بحاجة

ومدمن القرع للأبواب ان یلجا

”کیا ہی اچھا ہو کہ محنت کرنے والا بالآخر مراد پالے اور مسلسل

دروازہ کھٹکھٹانے والا پناہ گاہ پالے۔“

کسی معین کام کے لیے مختص کیا گیا معمولی سا وقت آپ کی زندگی کے رخ کو بدل سکتا ہے۔ اور آپ کو آپ کے تصور سے بھی زیادہ مضبوط اور کامیاب بنا سکتا ہے۔

انسانیت اپنی زندگی کا دس فیصد یا اس سے بھی کم حصہ جی رہی ہے! خواہ مالی ترقی ہو یا عقلی و تہذیبی یا صحت کی ترقی ہو۔ اور باقی ساری زندگی سستی اور



گنہگار میں بے کار جا رہی ہے۔ کہیں شطرنج اور دیگر کھیلوں کے نام ہو رہی ہے اور کہیں لاشی کے نام ہو رہی ہے، اسے زندگانی کے لیے خرچ نہیں کیا جا رہا۔ مناسب تو یہ ہے کہ شریعت اور عقل کے حکم کے موافق زمانے کو بھرپور استعمال کرنے کا طریقہ وضع کیا جائے۔ (فیض الخاطر: ۶۷/۳)

وقت سونے سے زیادہ قیمتی

استاذ حسن البناء ”الوقت هو الحياة“ کے نام سے اپنے ایک مضمون میں

لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے: ”وقت سونا ہے!“

یہ بات مادی اعتبار سے ان لوگوں کے لیے تو درست ہے جو کائنات کی ہر چیز کو مادیات کے ترازو میں تولتے ہیں۔ لیکن جو مادیت سے مابعد کی سوچ رکھتے ہیں ان کے لیے وقت زندگانی ہے۔

اے انسان! اس کائنات میں تیری زندگی پیدائش اور موت کے درمیان گزرنے والے وقت کے علاوہ کیا کسی اور چیز سے تعبیر ہو سکتی ہے؟ سونا تو کم ہوتا اور ختم ہوتا رہتا ہے اور اس کھوئے ہوئے سونے کا کئی گنا آپ دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن گیا وقت لوٹانا آپ کے بس میں نہیں! پھر تو وقت سونے سے بھی قیمتی ہوا! وہ تو ہیرے اور ہر قیمتی جوہر سے زیادہ قیمتی ہوا، کیونکہ وہ تو زندگی ہے!

کامیابی عمدہ لائحہ عمل اور ہم نوائی پر موقوف نہیں بلکہ مناسب اوقات پر موقوف ہے۔ عقلمند نا پختہ اور عجلت بازی والی اور تاخیر والی رائے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ توفیق خداوندی تو کسی کام کو اس کے مناسب وقت میں کرنے کا نام ہے۔

﴿وَاللَّهُ يَقْدِرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (سورۃ مزمل: ۲۰)

”رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔“

اسی وجہ سے تو غافل لوگ سب سے زیادہ ناکامی اور خسارہ اٹھاتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

”اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں۔ یہ لوگ غافل ہیں۔“

حضور ﷺ نے وقت کی قدر و قیمت کو کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے:

ما من يوم ينشق فجره إلا وينادي: يا ابن آدم، أنا خلق جديد، وعلى عملك شهيد، فتزود مني، فإني لا أعود إلى يوم القيامة.
”ہر صبح کے طلوع ہوتے ہی منادی آواز لگاتا ہے:

اے ابن آدم! میں تخلیق جدید ہوں، تیرے اعمال کی گواہ ہوں، مجھ سے فائدہ اٹھالے، میں قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گی۔“

کائنات میں وقت سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں، برکت کے اعتبار سے بھی اوقات مختلف ہوتے ہیں، کسی گھڑی برکت زیادہ ہوتی ہے اور کسی گھڑی کم ہوتی ہے۔ حسن حظ کے اعتبار سے اوقات مختلف ہیں۔ کوئی گھڑی زیادہ بابرکت ہے، کوئی دن اللہ کے ہاں زیادہ افضل ہے اور کوئی مہینہ زیادہ محترم ہے۔

هو الجدد حتى تفضل العين أختها

وحتى يكون اليوم ليوماً سيدا



”یہ نصیب کی بات ہے کہ ایک آنکھ دوسری پر فائق ہوتی ہے اور ایک دن دوسرے دن کا سردار ہوتا ہے۔“

حضور ﷺ نے بہت ساری احادیث میں وقت کی قدر و قیمت اور اس سے فائدہ اٹھانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ان میں سے ایک حدیث میں ہے:

المؤمن بین منخافتین: بین عاجلٍ قد مضی، لایدری ما اللہ صانع فیہ، و بین آجلٍ قد بقی، لایدری ما اللہ قاضٍ فیہ.

مؤمن دو اندیشوں میں گھرا ہوتا ہے:

ایک تو عاجل جو گزر گیا معلوم نہیں کہ خدا اس بارے میں کیا معاملہ کرے گا اور

ایک آجل جو باقی ہے، معلوم نہیں اللہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا۔“ (تخریج الاحیاء للحافظ المراقی: ۲/۲۰۴)

سو انسان کو چاہیے کہ

اپنے نفس سے اپنے ہی نفس کے لیے

اپنی دنیا سے آخرت کے لیے

جوانی سے بڑھاپے سے پہلے

زندگی سے موت سے پہلے

فائدہ اٹھالے!

حالی نے کیا خوب کہا ہے:

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے

فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے

جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے

اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت

جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

برادرِ عزیز! وقت کو قیمتی جانے! یہ تلوار کی طرح ہے، ٹال مٹول چھوڑ دو اس سے زیادہ نقصان دہ چیز کوئی نہیں، عمل مقبول اور فرصت کی خدا سے توفیق مانگو۔

(منبر الجمعة للامام الشهيد حسن البناء: ص ۵۳)

وفقنا الله وإياك أيها القارُّ الكريم إلى حفظ الوقت
وملئه بالعمل الصالح والعلم النافع، وجعلنا من الذين
يعرفون قيمة الزمن والحياة، فلا يغبنون أنفسهم
ولا أمتهم وبلادهم، وأولئك هم الراشدون.
(مصنف طبع خامس کی تصحیح سے ربیع الاول ۱۴۰۹ھ میں فارغ ہوئے)



المصادر والمراجع

- 1- الآداب الشرعية والمنح المرعية، لابن مفلح الحنبلي . مطبعة المنار ١٣٢٨.
- 2- الآلوسی مفسراً، للدكتور محسن عبدالحمید . مطبعة المعارف في بغداد ١٣٨٨.
- 3- إتحاف الأمجاد فيما یصح به الاستشهاد، لمحمود شكري الآلوسی الحفید . مطبعة الإرشاد في بغداد ١٣٠٢.
- 4- أساس البلاغة، للزمخشري . مطبعة أولاد أورفاند ١٣٤٢.
- 5- أضواء الشريعة: مجلة كلية الشريعة بالرياض، م جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية. العدد الخامس لعام ١٣٩٢.
- 6- الأعلام لخیر الدین الزرکلی. الطبعة الثالثة- بیروت ١٣٨٩.
- 7- إنباه الرواة علی أنباه النحاة للقفطي. دار الکتب المصرية ١٣٤٢.
- 8- الأنساب للمحافظ السمعاني. حیدر آباد الدکن بالهند ١٣٨٢.
- 9- البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، للشوکانی. السعادة ١٣٢٨.
- 10- بُستان العارفين، للنووي. مطبعة زيد بن ثابت بدمشق ١٣٠٥.
- 11- بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة، للسيوطي. السعادة ١٣٢٦.

- 12- بهجة النفوس وتحليها، لابن أبي جمرة الأندلسي. الصدق
الخيرية ١٣٢٨.
- 13- تاج العروس من جواهر القاموس، للزبيدي. الخيرية ١٣٠٦.
- 14- تاريخ بغداد، للخطيب البغدادي. السعادة ١٣٢٩.
- 15- تبين كذب المفترى، للحافظ ابن عساكر. مطبعة التوفيق
بدمشق ١٣٢٤.
- 16- تمة المختصر في أخبار البشر، لابن الوردي. المطبعة الوهبية
١٢٨٥.
- 17- تخريج أحاديث الإحياء، للحافظ العراقي. دار المعرفة بيروت،
دون تاريخ.
- 18- تذكرة الحفاظ، للذهبي. الطبعة الثالثة، حيدر آباد الدكن بالهند
١٣٤٥.
- 19- تراث العرب العلمي في الفلك والرياضيات، لقدرى حافظ
طوقان. الطبعة الثالثة بدار القلم ١٣٨٢.
- 20- ترتيب المدارك، للقاضي عياض.
- 21- تفسير الحافظ ابن كثير. دار الأندلس في بيروت ١٣٨٥.
- 22- تقييد العلم، للحافظ الخطيب البغدادي. طبعة المعهد الفرنسي
بدمشق ١٩٢٩.
- 23- تهذيب التهذيب، للحافظ ابن حجر. حيدر آباد الدكن بالهند ١٣٢٥.
- 24- توالي التانيس بمعالي محمد بن إدريس (الإمام الشافعي) للحافظ
ابن حجر العسقلاني. دار الكتب العلمية في بيروت ١٣٠٦.
- 25- جامع الترمذي (سنة). مطبعة مصطفى البابي الحلبي، الطبعة
الثانية بتحقيق أحمد شاكر ١٣٩٨.
- 26- الجامع الصغير من حديث البشير النذير، للسيوطي مع فيض

القدير للمناوي. مطبعة مصطفى محمد ١٣٥٦.

27- الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع، للخطيب البغدادي بتحقيق

الدكتور محمود طحان. طبعة مكتبة المعارف بالرياض ١٤٠٣.

28- جمع الجوامع، للحافظ السيوطي. النسخة المصورة بمصر عن

المخطوطة في مجلدين.

29- جمهرة أنساب العرب، لابن حزم. دار المعارف ١٣٨٢ / ١٩٦٢.

30- الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي لابن القيم، مطبعة

أمين عبدالرحمن ١٣٣٦.

31- الجواهر المضية في طبقات الحنفية، للحافظ عبدالقادر

القرشي. بتحقيق الأستاذ عبدالفتاح الحلو. مطبعة عيسى البابي

الحلبي ١٣٩٨.

32- الحث على طلب العلم والاجتهاد في جمعه، لأبي هلال

العسكري. المكتب الإسلامي في بيروت ١٤٠٦.

33- الدرر الكامنة، للحافظ ابن حجر. الطبعة الثانية بحيدر آباد الدكن

١٣٩٢.

34- ذيل تاريخ بغداد، لابن النجار. حيدر آباد الدكن بالهند ١٣٩٨.

35- ذيل طبقات الحنابلة، للحافظ ابن رجب الحنبلي. مطبعة السنة

المحمدية ١٣٤٢.

36- ذيل الموضوعات، للحافظ السيوطي. المطبع العلوي في لکنو

بالهند ١٣٠٣.

37- رسالة ابن قيم الجوزية في ((أسماء مؤلفات ابن تيمية)). طبع

المجمع العلمي بدمشق ١٣٨٠. ثم طبعت بعدها طبعين في بيروت.

38- روضات الجنات، للخوانساري. المطبعة الحيدرية في طهران

١٣٩٠.

- 39- روضة المحبين، للإمام ابن القيم. طبعة بيروت ١٣٩٤.
- 40- سنن ابن ماجه. مطبعة عيسى البابي الحلبي ١٣٤٢.
- 41- سير أعلام النبلاء. للذهبي. مؤسسة الرسالة بيروت ١٤٠١.
- 42- شرح الإحياء: إتحاف السادة المتقين، للزبيدي. الميمنية ١٣١١.
- 43- الشفا بتعريف حقوق المصطفى، للقاضي عياض. دار الكتاب العربي بيروت ١٤٠٢.
- 44- الشمائل المحمدية، للترمذي بشرح الباجوري. مطبعة الاستقامة ١٣٥٣.
- 45- صحيح البخاري بشرح فتح الباري، لابن حجر. المكتبة السلفية ١٣٨٠.
- 46- صيد الخاطر، لابن الجوزي. دار الكتب الحديثة بمصر دون تاريخ، وطبعة دار الفكر بدمشق ١٣٨٠ في ثلاثة أجزاء.
- 47- طبقات الشافعية الكبرى، للتاج السبكي. مطبعة عيسى البابي الحلبي ١٣٨٢.
- 48- طبقات الشافعية الكبرى، للتاج السبكي بالواسطة عن تعليقات ((الكبرى)).
- 49- طبقات الشافعية، لابن قاضي شهبة. حيدر آباد الدكن بالهند ١٣٩٨.
- 50- عقود الجوهر في تراجم من لهم خمسون تصنيفاً فمئة فأكثر، لجميل العظم الدمشقي. المطبعة الأهلية في بيروت ١٣٢٦.
- 51- عمدة القاري شرح صحيح البخاري، للبدر العيني. المطبعة المنيرية ١٣٢٨.
- 52- العمدة في محاسن الشعر و آدابه ونقده، لابن رشيق المغربي. السعادة الطبعة الثانية ١٣٤٢ بتحقيق محمد محي الدين عبدالحميد.

- 53- عیون الأنباء في طبقات الأطباء، لابن أبي أصيبعة. دار الفكر بيروت ۱۳۷۶.
- 54- فضائل أبي حنيفة وأصحابه، لأبي العباس بن أبي العوام. (مخطوطه).
- 55- الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي، لمحمد بن الحسن الحجوزي. طبعة الرباط بالمغرب ۱۳۴۰، وطبعة النمنكاني بدمشق والقاهرة ۱۳۹۶.
- 56- الفنون، لأبي الوفاء بن عقيل الحنبلي. المكتبة الشرقية في بيروت ۱۹۸۶.
- 57- فوات الوفيات، لابن شاکر الکتبی. بولاق ۱۲۹۹.
- 58- فیض الخاطر لأحمد أمين. الطبعة الرابعة لمكتبة النهضة المصرية، دون تاریخ.
- 59- فیض القدير بشرح الجامع الصغير، للمناوي. مطبعة مصطفى محمد ۱۳۵۶.
- 60- الكنى والألقاب، لعباس القمي. مطبعة العرفان في صيدا بلبنان ۱۳۵۸.
- 61- الكواكب السائرة بأعيان المئة العاشرة للنجم الغزي. دار الآفاق الجديدة بيروت الطبعة الثانية ۱۹۷۹.
- 62- لسان الميزان، للحافظ ابن حجر العسقلاني. حيدر آباد الدکن بالهند ۱۳۲۹.
- 63- مؤلفات ابن الجوزي، لعبد الحميد العلوجي. طبع وزارة الثقافة العراقية ببغداد ۱۳۸۵.
- 64- مجمع الزوائد و منبع الفوائد، للحافظ الهيتمي. مكتبة القدسي ۱۳۵۲.
- 65- مدارج السالكين، لابن القيم. مطبعة السنة المحمدية ۱۳۷۵.

- 66- المستدرک علی الصحیحین، للحاکم النیسابوری. حیدر آباد
الدکن بالہند ۱۳۳۳.
- 67- مسند الإمام أحمد بن حنبل. المطبعة الميمنية ۱۳۱۳.
- 68- المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، للفيومي. مطبعة
مصطفى البابي لحلي ۱۳۶۸.
- 69- معجم الأدباء، لياقوت الحموي. دار المأمون ۱۳۵۵.
- 70- المعجم الكبير، للطبراني. طبع وزارة الأوقاف في بغداد ۱۳۹۸.
- 71- مفاتيح الغيب، لفخر الدين الرازي. المطبعة البهية المصرية دون
تاريخ.
- 72- مقالات الكوثري. مطبعة الأنوار ۱۳۷۳.
- 73- مناقب الإمام أبي حنيفة للحافظ الدين الكوردي، مع
(المناقب) للموفق المكي. ۱۲۰۱.
- 74- مناقب الإمام أبي حنيفة للموقف المكي. دار الكتاب العربي في
بيروت ۱۲۰۱.
- 75- مناقب الإمام أحمد، لابن الجوزي. السعادة ۱۹۳۲. ومكتبة
الخانجي بتحقيق الدكتور عبد الله التركي ۱۳۹۹.
- 76- المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، لابن الجوزي. حيدر آباد
الدکن ۱۳۵۷.
- 77- النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير. مطبعة عيسى البابي
الحلي ۱۳۸۳، ثم صورت عنها في بيروت دون تاريخ.
- 78- الوابل الصيب من الكلم الطيب، لابن قيم الجوزية. المطبعة
المنيرية ۱۳۷۵.
- 79- وفيات الأعيان، للقاضي ابن خلكان. المطبعة الميمنية ۱۳۱۰.

وقتی کی قدریت

مترجم
جناب محمد عبدالصمد
استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور

انٹرنیشنل اسلامک
پبلسنگز